بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی **محسنِ ادارہ:** الحاج شفیع محمد قادری

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری

مدیرِ اعلیٰ:	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر:	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر:	پروفیسر دلاور خاں

ISBN 978-969-9266-04-1

ماہنامہ **معارفِ رضا** کراچی

جلد: 32 شمارہ: 10

اکتوبر ۲۰۱۲ء / ذی قعد ۱۴۳۳ھ

حُسنِ ترتیب (شمارہ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے

بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

25-جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اپنی بات

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پروفیسر دلاور خاں

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

(اعلیٰ حضرت)

اسلام دشمن طاقتیں خوب جانتی ہیں کہ مسلمان جب تک قرآن اور صاحبِ قرآن سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سلامت ہے تو بدترین سے بدترین حالات میں بھی ان کی تہذیب وتمدن کا خاتمہ ممکن نہیں۔ نہ تو فاقہ کشی سے مارنا ممکن ہے، نہ سیاسی غلبے سے فنا کرنا آسان ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے اس جذبۂ ایمانی کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے توہین آمیز خاکوں، اشتعال انگیز فلموں اور قرآن جلاؤ تحریکوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔

امریکی پادری ٹیری جونز وہی ہے جس نے مسلمانوں سے قرآن کا رشتہ ختم کرنے کے لیے دو مرتبہ نعوذ باللہ قرآنِ پاک کو نذرِ آتش کیا۔ اسی پادری نے غیر مسلم مصری تارکینِ وطن کے ساتھ مل کر سرورِ کائنات ﷺ کی شانِ اقدس کے خلاف Innocence of Muslim فلم بنائی۔ جس کے ردِ عمل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ لیبیا کے شہر بن غازی میں تو امریکی قونصل خانے پر مشتعل مظاہرین نے راکٹ سے حملہ کر دیا، جس سے امریکی سفیر کرسٹو فر سٹیونز سمیت تین دیگر سفارتی اہلکار ہلاک ہوئے۔ اس طرح کے مستقل مظاہرے دیگر مسلم ممالک میں بھی ہوئے۔ پاکستان کے غیور مسلمانوں نے بھی اس گستاخانہ فلم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور مجموعی طور پر عالمی سامراجی طاقتوں کو بھرپور پیغام دیا کہ عشقِ رسول ﷺ عظیم طاقت بھی ہے اور شاندار تہذیب بھی۔ وفاقی حکومت نے تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے یومِ عشقِ رسول منانے کا اعلان کیا۔ عوامی جذبات کا یہ عالم تھا کہ پشاور سے لے کر کراچی پاکستان کے تمام شہروں میں اس گستاخانہ فلم پر شدید احتجاج ہوا پولیس کے ساتھ مظاہرین کی جھڑپوں، پتھراؤ، لاٹھی چارج اور شیلنگ میں ۳۰۰ سے زائد زخمی اور ۲۰ / افراد جاں بحق ہوئے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک گیر سطح پر ہونے والے ان احتجاجی مظاہروں کے دوران نجی اور سرکاری املاک کی تباہی، بے گناہ افراد پر تشدد، سرکاری اور نجی املاک کی لوٹ سے کس کے مقاصد پورے ہوئے۔

یقیناً احتجاج کے دوران تشدد کے واقعات نبیِ کریم ﷺ سے عقیدت سے ہم آہنگ نہیں۔ ان پر تشدد واقعات سے ان طاقتوں کو ضرور فائدہ پہنچا، جو مسلمانوں کے قلوب سے عشقِ رسول ﷺ کی شمع کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اگر اس احتجاج کو ہر طرح سے پر امن بنایا تو اس میں کروڑوں خواتین، بچے، بوڑھے حتیٰ کے معذور اور مریض بھی اس احتجاج میں شریک ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے لیکن ان پر تشدد واقعات نے ان کروڑوں مسلمانوں کو خوف وحراس کی وجہ سے گھروں میں مقید کر دیا۔ جس سے یقیناً بلاواسطہ اسلام دشمن طاقتوں کو فائدہ ہوا۔ بھلا ہو علماءِ سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کراچی کا جنہوں نے ان تمام پر تشدد واقعات کی نہ صرف مذمت کی بلکہ تحفظِ ناموسِ رسالت ریلی نکالی جس میں لاکھوں افراد شریک ہوئے، لیکن اس میں کسی قسم کے تشدد کا عنصر شامل نہیں تھا۔ پوری دنیا کو ایک مثبت پیغام دیا گیا کہ حضور کی محبت دین کی شرطِ اوّل ہے۔ امریکا اور اسلام دشمن طاقتوں کو پیغام دیا گیا کہ اس قسم کی فلم سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ بقائے امن کے لیے ضروری ہے کہ عالمی سطح پر ایسی قانون سازی کی جائے جس سے شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کا خاتمہ ممکن ہو اور عالمی امن کو جو خطرات لاحق ہیں ان کا مؤثر انداز میں ازالہ ہو سکے۔

اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لیے عقیدت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان عملی اقدامات کی بھی اشد ضروری ہے:

(بقیہ صفحہ نمبر 44 پر ملاحظہ فرمائیں)

عاشقِ رسول

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان)

سخنانِ چند (بقلم راجا رشید محمود): حضور رحمتِ عالم نورِ مجسّم ﷺ کی محبّت اصلِ ایمان ہے محبوبِ رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبّت سنتِ کبریا ہے۔ دین نام ہے سرکار کے کردار و گفتار کا۔ اللہ کریم نے ہمارے آقا و مولا کے فعل کو اپنا فعل، ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، ان کی محبت کو اپنی محبت اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم یعنی پروردگارِ عالم کا اپنے بندوں کے لیے حکم یہ ہے کہ باعث ظہورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کی الفت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں۔ جو شخص اس راستے سے صرفِ نظر کرکے اللہ تک براہ راست رسائی کی کوشش کرے گا راندۂ درگاہ ہوگا۔

اس نکتے کو جن بزرگوں نے سمجھا، اس پیغام کو جنہوں نے حرزِ جان بنایا، الفت و عقیدت کی اس وادی میں جن لوگوں نے بادیہ پیمائی کی، خداوند کریم کے دوست ٹھہرے ارفع و اعلیٰ مراتب سے نوازے گئے۔ ایسی ہستیوں میں مجدّد دین و ملّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا اسم گرامی بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ انہوں نے مدح مصطفیٰ ﷺ کی سنّتِ خدا پر پوری طرح عمل کیا۔ خالق و مالک کی تقلید میں نعت گوئی کی۔ ربِّ دو عالم کے عمل کی پیروی اور حکم کی تعمیل میں درود و سلام کے پھول مسلسل نچھاور کیے۔ جبّار و قہّار خدا نے ولید بن عتبہ کی ہرزہ سرائی کے جواب میں سورۂ قلم نازل کی اور اپنے محبوب کا دفاع کیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے پروردگارِ موجودات کی حبِّ مصطفیٰ کے تتبّع میں قداحِ رسول کے خلاف اپنے قلم سے جہاد کیا۔

خدا محبّ تھا، محبوب کی تضحیک گوارا نہیں کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت عاشق تھے، محبوبِ کائنات کے بارے میں ذرا سی توہین آمیز گفتگو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ خداوند قدّوس حضور ﷺ کے نام لیواؤں پر راضی ہوگیا۔ اس نے انہیں انعامات سے نوازا تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کے غلاموں کے نقوشِ پا کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھا۔

امام احمد رضا عاشقِ رسول تھے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں تو اپنی عاقبت سنوارنے کی بات کرتے ہیں۔ وہ تو دنیا میں بھی اپنے آقا و مولا کے حفظ و امان میں رہے اور قیامت کو بھی حضور ﷺ کی محبت کے طفیل درجاتِ رفیع پائیں گے۔

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

پروفیسر محمد مسعود احمد خانوادۂ عاشقانِ رسول کا روشن چراغ ہیں۔ انہوں نے عبدِ مصطفیٰ حضرت امام احمد رضا کے عشقِ رسول کا ساز چھیڑا ہے، محبت کا نغمہ الاپا ہے۔ اپنے مخصوص رنگ میں، منفرد انداز میں، نرالے ڈھنگ سے انہوں نے عاشقِ رسول کے تذکرے سے عشقِ مصطفیٰ کی جوت جگائی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ اس عشق کا چرچا کہاں کہاں ہوتا ہے۔۔۔ اللہ کریم پروفیسر صاحب موصوف اور اراکین مرکزی مجلسِ رضا کو جزائے خیر دے کہ ان منابع سے عشقِ رسول ﷺ کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔

عاشقِ رسول

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ
در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح از عشق است
با آں کہ سپاہِ او شہید ند ہمہ

عشق و محبت کی قربان گاہ میں وہ تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔۔۔ سب سمجھے کہ مر گیا۔۔۔ مگر شہیدِ عشق مرا نہیں کرتے۔۔۔ وہ مر کر جیا کرتے ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ سر تن سے جدا ہو چکا ہے۔۔۔ جسم بے جان پڑا ہے۔۔۔ مگر جان آفریں کہہ رہا ہے۔۔۔ خبردار اس کو مردہ نہ کہنا۔۔۔ یہ زندہ ہے۔۔۔ اس نے ہماری چاہت میں جان دی ہے۔۔۔ تم کو کیا خبر؟ تم کیا سمجھو؟۔۔۔

شعرائے اُردو کے تذکرے چھوٹے موٹے شاعروں سے بھرے پڑے ہیں۔۔۔ مگر جس کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا، وہ نہ کیا گیا۔۔۔ شاعروں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ عاشقِ صادق تھا۔۔۔ وہ کسی کا شاگرد نہ تھا۔۔۔ شاگرد تو غالبؔ بھی کسی کا نہ تھا مگر وہ عاشقِ صادق نہ تھا۔۔۔ وہ محبت سے کھیلتا تھا اس لیے سب نے اس کو یاد رکھا۔۔۔ ظاہر پرستوں کو شراب و کباب اور جھوٹی محبت میں بہت مزا آتا ہے ۔۔۔ سچی محبت میں ان کے لیے کوئی کشش نہیں۔۔۔ اور علما نے بھی اس لیے چھوڑا کہ وہ سچی محبت کی بات کرتا تھا۔۔۔ وہ اپنے محبوب کا فداکار اور جاں نثار تھا۔۔۔ سیاست دانوں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ جذبات کی رو میں نہیں بہتا تھا۔۔۔ وہی کہتا تھا جو اس کا مولیٰ کہتا تھا۔۔۔ اور اپنوں نے اس لیے چھوڑا کہ وہ صف سے باہر نکل نکل کر حملے کیا کرتا تھا۔۔۔ وہ صفدر وصف شکن تھا۔۔۔ وہ غلامِ حیدرِ کرار تھا۔۔۔ غرض سب نے چھوڑا۔۔۔ مگر اس کے ربّ نے اس کو نہ چھوڑا۔۔۔ اس کے محبوب نے اس کو نہ چھوڑا۔۔۔ ہاتھ پکڑا اور ایسا اٹھایا کہ پاک و ہند کے گلی کوچے اس کے نغموں سے گونج گئے۔۔۔ سنو سنو۔۔۔ ذرا یہ آواز تو سنو!۔۔۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

سب نے آوازیں سنیں مگر دھیان نہ دیا۔۔۔ ادیبوں سے کہا "دیکھو دیکھو ذرا دیکھو، اس کی سنو!"۔۔۔ شاعروں سے کہا "سنو سنو ذرا اس کو سنو!"۔۔۔ نہ کسی نے سنا اور نہ دیکھا۔۔۔ جس کا سکّہ چلتا ہے وہی چمکتا ہے۔۔۔ بازارِ عالم کا یہی دستور ہے۔۔۔ مگر دستورِ عشق نرالا ہے ۔۔۔ کھرے سکوّں کی چمک اپنی طرف متوجہ کر کے ہی رہتی ہے۔۔۔ کتنے ہی پرانے ہو جائیں۔۔۔ پرانے نہیں ہوتے۔۔۔ ان کا حسن سدا بہار ہے۔۔۔ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی نکالے جاتے ہیں۔۔۔ اور عالی شان محلوں میں سجائے جاتے ہیں۔۔۔ اور پھر ایک عالم ان کی دید کے لیے امنڈ پڑتا ہے۔۔۔ تو جب وہ چمکا جس کو دبا دیا گیا تھا۔۔۔ سب دیکھنے لگے۔۔۔ سب بولنے لگے۔۔۔ للہ الحمد کہ آج وہ مسندِ عزّت پر بٹھا دیا گیا ہے۔۔۔

فرزانوں کی بستی میں وہ ایک دیوانہ تھا جس نے محبت کے چراغ روشن کیے۔۔۔ جس نے سونی محفلوں کو باغ و بہار بنایا۔۔۔ جس نے کشت ویراں کو لالہ زار کیا۔۔۔ جس نے آندھیوں میں دیے جلائے ۔۔۔ جس نے طوفانوں میں کشتیاں چلائیں۔۔۔ وہ ید اللہ تھا ۔۔۔ اس کے ہاتھ کی بے پناہ قوت بتا رہی ہے کہ وہ اس کا ہاتھ نہیں، وہ خدا کا ہاتھ ہے۔۔۔ "میرا بندہ جب مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"۔۔۔ بے شک وہ خدا کا ہاتھ تھا۔۔۔ ایک انسان کے ہاتھ میں اتنی قدرت کہاں کہ جدھر بڑھے سیلِ رواں کی طرح اور جدھر اٹھے ابرِ باراں کی طرح۔۔۔

وہ اپنے محبوب کے بدخواہوں کی طرف جھپٹتا ہے۔۔۔ اس کو انسانوں سے بیر نہیں۔۔۔ وہ محبت کا اسیر ہے۔۔۔ وہ مصطفیٰ کا بندہ ہے۔۔۔ جن کی شان یہ تھی کہ ادھر تلواروں کی جھنکار سے میدانِ وغا گونج رہا ہے۔۔۔ اُدھر وہ اشکبار آنکھوں سے اپنے دشمنوں کے لیے دعا مانگ رہے ہیں۔۔۔ تو جب وہ ویران گھروں میں محبت کی سوغات لے کر پہنچا تو اس کو کیوں ٹھکرا دیا گیا؟۔۔۔ ٹھکرانے والوں نے ٹھکرایا، لیکن اس "عندلیبِ چمنستانِ رسالت" کی آواز کچھ ایسی بھائی کہ جس کو دیکھو اسی کے گن گا رہا ہے۔۔۔ سنو سنو، کہنے والے کیا کہہ رہے ہیں!

ڈاکٹر فرمان فتحپوری (شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی)

علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے وہ مولانا حالؔی، مولانا شبلؔی، امیر مینائؔی اور اکبرؔ الٰہ آبادی وغیرہ کے ہم عصروں میں تھے۔ ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرت ﷺ کی زندگی و سیرت تھی مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ رضی اللہ عنہ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی درد مندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پر پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔ ان کا سلام؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بہت مقبول ہوا ہے۔ ایک نعت بھی جس کا مطلع ہے؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

خاصی شہرت رکھتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا دیوان "حدائقِ بخشش" شائع ہو چکا ہے۔

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ لاہور، ص۸۶)

مولانا کوثر نیازی

بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور "احمد رضا خاں بریلوی" جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ﷺ ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ (مولانا کوثر نیازی، بحوالہ تقریبِ اشاعت ارمغانِ نعت، کراچی ۱۹۷۵ء، ص۲۹)

مولانا کوثر نیازی انداز بیان میں رقم طراز ہیں کہ: "بریلوی مکتبِ فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی بھی بڑے اچھے واعظ(*) تھے ان کی امتیازی خصوصیّت ان کا عشقِ رسول ہے، جس میں سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کا نعتیہ کلام بھی سوز وگداز کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے اور مذہبی تقریبات میں بڑے ذوق وشوق اور احترام سے پڑھا جاتا ہے۔" (انداز بیان، ص۸۹۔۹۰)

(*) اعلیٰ حضرت بہت محتاط رہ کر وعظ فرماتے تھے اور وہ بھی سال میں دو ایک بار۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

"وہ جیّد عالم، متبحّر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسّرِ قرآن، عظیم محدّث اور سحر بیان خطیب تھے، لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول۔"

(ڈاکٹر سیّد عبداللہ، بحوالہ پیغاماتِ یومِ رضا، مطبوعہ لاہور، ص۳۵)

پروفیسر افتخار اعظمی

"احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے۔ وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے، اس لیے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلّف نہیں، بلکہ بے ساختگی ہے؛ کیونکہ رسولِ پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی؛ اس لیے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے۔"

(افتخار اعظمی: ارمغانِ حرم، ص۱۴، بحوالہ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، از ملک شیر محمد خان اعوان، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء، ص۱۷)

نیاز فتحپوری

شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے۔ میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسولِ عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا کے بعض اشعار میں نعتِ مصطفوی میں اپنی انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے، جو ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔ مولانا حسرت موہانی بھی مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے مداح و معترف تھے۔ مولانا حسرت موہانی اور مولانا بریلوی میں ایک شے قدرِ مشترک تھی اور وہ غوث الاعظم کی ذات والا صفات جن سے دونوں کی گہری وابستگی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا بریلوی کا یہ شعر سنا ہے

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

(نیاز فتحپوری، بحوالہ محمود احمد قادری، نیاز فتحپوری کے تاثرات، مطبوعہ ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سنّت کراچی، نومبر و دسمبر ۱۹۷۵ء، ص۲۸۔)

حافظ بشیر احمد غازی آبادی

"ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت فاضلِ بریلوی نے نعتِ رسولِ مقبول ﷺ میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے، جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں، ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لیے آپ کی ایک نعت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثناخواں کی خامشی
چُپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح و بلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھیے "خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمانی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جائے گا۔ بے شک جس کے لیے یہ زمین و آسماں پیدا کیے گئے وہ خدا کا محبوب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا جو شافع محشر ہے وہ یتیم عبداللہ، آمنہ کا لال، وہ ساقی کوثر وہ خاتم الانبیاء اور خیر البشر، وہ شہنشاہِ کونین وہ سرورِ کون و مکاں وہ تاجدارِ دوعالم جس کا سایہ نہ تھا۔ اس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ بے شک وہ خالق کا بندہ اور خلق کا آقا ہے۔"

(حافظ بشیر احمد غازی آبادی، جنگ (کراچی) بحوالہ "اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر" از سید نور محمد قادری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۳۷)

ماہر القادری

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے، یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہِ سخن سے ہٹ کر صرف نعتِ رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔"

(ماہر القادری، بحوالہ فاران کراچی، ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۵ و ۴۴)

میاں محمد شفیع (م۔ ش)

"برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی شعور ابھارنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلامی اقدار سے آگاہ کرنے میں حفیظ کی شاعری نے ایسا کردار ادا کیا ہے جو کہ اس صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے میں امام اہلِ سنّت و جماعت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام اور تحریکِ رابطہ مسلم عوام کے ذریعے مسلمانوں کے سینوں میں عشقِ محمد کی آگ روشن کرنے میں ادا کیا تھا۔ جس طرح برصغیر کے دور دراز دیہات میں اعلیٰ حضرت کے سلام ایسے فقرے "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" گزشتہ نصف صدی سے گونجتے رہے ہیں، اسی طرح حفیظ کے شاہنامہ اسلام کے اشعار مسجدوں اور مکتبوں سے ان کی خاص طرز میں گزشتہ ربع صدی سے زائد، ہم سے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کی صدا بن کر بلند ہوتے رہے ہیں۔"

(میاں محمد شفیع کالم نگار نور بصیرت، نوائے وقت، لاہور، ۲۲ نومبر ۱۹۷۳ء)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک "عاشقِ رسول" یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کا ذکر بھی کر دیا جائے، جس سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے۔ حالانکہ یہ غالباً واحد عالمِ دین ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں۔ اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

(ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، اردو شاعری اور تصوف، مطبوعہ فکر و نظر، اسلام آباد، جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۵۶۸)

علّامہ سیّد محمد محدّث

"ایک دفعہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدے کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دُھلی ہوئی ہے۔" (سید محمد محدّث کچھوچھوی، بحوالہ مجدّدِ اسلام، از نسیم بستوی، ص ۱۶۴)

مقبول جہانگیر

اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی وقیع اور عظیم ہے جتنی ان کی دوسری حیثیتیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں جو اچھے اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں ان سب کا ذکر کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے، مگر اعلیٰ حضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ شاید اس لیے کہ ان کی شاعری دوسرے علوم و فنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبۂ دل کی بے ساختگی، خیال کی رعنائی۔ الفاظ کی شان و شوکت اور عشقِ رسول کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کی نعتوں میں کیف و اثر کی ایک دنیا آباد ہے۔

(مقبول جہانگیر، اعلیٰ حضرت بریلوی، مطبوعۂ انگلستان، ص ۱۲)

کنزالایمان اور ڈاکٹر اوج کا مقالہ

تیسری قسط

پروفیسر دلاور خاں

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کراچی یونیورسٹی کے ڈین کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی کی زیر نگرانی مقالہ "قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ" مکمل کر کے ۲۰۰۵ء میں پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالے میں مفکر اسلام امام سوادِ اعظم اہلِ سنّت احمد رضا خاں محدث حنفی قادری برکاتی کا شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" شامل ہے۔ مقالے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اوج کنزالایمان کے فنی، علمی محاسن کی گیرائی اور گہرائی سے قلتِ علم کی وجہ سے نابلد رہے ہیں، جس سے اہلِ علم میں اس مقالے کی ثقاہت اور صاحب مقالہ کی علمی ساخت متاثر ہوئی۔ انصاف اور تحقیق کے تقاضوں کے تحت ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں زید مجدہ نے مذکورہ مقالے کا معروضی انداز سے مطالعہ کیا ہے اور مقالے میں پائے جانے والے اصولِ تحقیق سے انحراف اور غیر متوازن پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ کنزالایمان کے محاسن کسی مصلحت کی نظر ہو گئے تھے اس پر علمی اور فنی پہلوؤں سے گفتگو کی ہے، جسے قسط وار شائع کیا جارہا ہے تاکہ موصوف نے جو زیادتی کنزالایمان سے اپنے مقالے میں جہاں جہاں برتی ہے تحقیقی انداز میں اس کا ازالہ ہو سکے اور ان آٹھ تراجم پر کنزالایمان کی علمی و فنی برتری ثابت ہو۔ یہ کوئی مجادلہ اور مناظرہ نہیں بلکہ علمی بحث ہے، جس کا آغاز خود ڈاکٹر اوج نے اپنے مقالے کی اشاعت سے کیا ہے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر اوج اپنا موقف پیش کرنا چاہیں تو ہم معارفِ رضا میں انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ (سید وجاہت رسول قادری، مدیر اعلیٰ معارفِ رضا)

ڈاکٹر اوج اپنی اضطراری کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

"جن اصولوں اور معیارات کے تحت (یہ مقالہ) لکھا گیا ہے ان بنیادوں پر۔۔۔ کئی جلدوں پر مشتمل یہ کام ہو سکتا ہے۔ ابتداءً تو میرا ارادہ بھی اسی قسم کا تھا مگر میرے سپروائزر نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا ان کا کہنا تھا کہ پی ایچ ڈی کا مطلب کوئی مفصل کام کرنا نہیں بلکہ کچھ نیا کرنا مقصود ہوتا ہے۔۔۔ اگر تحقیق میں سپروائزر کا مقام مجتہد مطلق کا سمجھا جائے اور تحقیق کار کو نرا مقلد تو آپ میری مجبوری کو سمجھ سکتے ہیں۔"

اگر یہی حقیقت ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بیان فرمائی تو اس سے یہ نتائج بآسانی اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(الف) اگر سپروائزر مجتہدِ مطلق کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے جو بھی تحقیقی عمل ہو رہا ہے وہ اصل میں سپروائزر کی تحقیق و محنت کا نتیجہ ہے اور تحقیق کار (مقلد) صرف بطور محرر اپنے فرائض سے سبک دوش ہو کر اعلیٰ تعلیم کی ڈگری حاصل کر رہا ہے۔ یہاں نہایت ہی مختصر عرصے میں مقالے کی تکمیل کا عقدہ بھی کھل جاتا ہے۔ یہ مقامِ مجبوری نہیں بلکہ مسروری ہے جو کہ نہ ہلدی لگی نہ پھٹکڑی اور رنگ چوکھا کے مصداق ہے۔ ایسے سپروائزر نایاب ہیں۔ اگر اس طرح کے سپروائزر عصرِ حاضر کے ریسرچ اسکالرز کو میسر ہوں تو ہر لبِ علم منشی کا فریضہ سرانجام دے کر کم وقت میں معمولی سی محنت سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر سکتا ہے۔ سوائے ڈاکٹر اوج کے یہ خوش قسمتی کسی ریسرچ اسکالر کو کہاں نصیب۔!!!

(ب) اگر مقالے میں کسی قسم کی کمزوری و کمی ہے تو وہ موصوف کے سپروائزر کے جبر اور عنان گیری کا نتیجہ ہے، جس نے اپنے دور کے مجتہد و محقق کو نرا مقلد بنا دیا، جس سے تحقیق کی ایک اور قسم "تقلیدی تحقیق" دریافت ہوئی۔ محقق اور مقلد کے ناممکن اجتماعِ نقیضین کا حسین اِمتزاج اگر کسی نے نہیں دیکھا ہو تو اسے صرف یہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

قرآنی آیات کے اندراج میں بے احتیاطی

مقالے کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آیات کے اندراج میں بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ کسی آیت پر اِعراب کی کمی ہے اور کسی پر زیادہ حرف کا الحاق کر دیا گیا ہے۔ کسی سورہ کا نمبر غلط ہے تو کسی سورہ کا نام غلط تحریر کر دیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک پی ایچ ڈی کے مقالے

میں آیات کے اندراج میں اس قدر بے احتیاطی برتی گئی۔ مقالے میں درج آیات کے خط کشیدہ الفاظ و حروف کا قرآنی آیات سے تقابل کیا جائے تو افسوس ناک صورت یوں سامنے آتی ہے:

(۱) عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ (النبا:۱)

عَمَّ یَتَسَاءَ لُونَ ۝

(۲) وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۝ (النبا:۱۰)

وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ لِبَاساً ۝

(۳) وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ (النبا:۱۴)

وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجاً ۝

(۴) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۝ (النبا:۱۵)

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبّاً وَنَبَاتاً ۝

(۵) فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ (التکویر:۱۵)

فَلاَ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝

(۶) وَ الَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ (التکویر:۱۷)

وَاللَّیْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝

(۷) فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ (انشقاق:۱۶)

فَلاَ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝

(۸) وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ (انشقاق:۱۸)

والقمر اذا التسق

(۹) وَّ هُمْ عَلٰى مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌ ۝ (البروج:۷)

وَهُمْ عَلَى مَا یَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِینَ

(۱۰) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (الاعلیٰ:۶)

سَنُقْرِئُکَ فَلاَ تَنسٰی ۝ (اعلیٰ:۶)

(۱۱) وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (فجر:۲۲)

وَجَاء رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفّاً صَفّاً ۝ (فجر:۲۲)

(۱۲) لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد:۱)

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝

(۱۳) وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝ (الشمس:۵)

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝

(۱۴) وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا ۝ (الشمس:۶)

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝

(۱۵) وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ (الشمس:۷)

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝

(۱۶) وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى ۝ (اللیل:۱)

وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَى ۝

(۱۷) وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ (اللیل:۲)

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝

(۱۸) وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰٓى ۝ (اللیل:۳)

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝

(۱۹) وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ (اللیل:۱۹)

وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝

(۲۰) وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ (الضحیٰ:۲)

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝

تنگ نظری پر ایک نظر

ڈاکٹر صاحب اپنے مقالے میں فرماتے ہیں کہ اصولِ تحقیق کے پیش نظر ان کی تحقیق تنگ نظری اور جانب داری کے بغیر ہے، لیکن جب ایک عام قاری مقالے کا مطالعہ کرتا ہے تو حقیقت اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مترجمین کا آغازِ تعارف

مشہور مفسر، مناظر اور عالم دین مولانا ثناء اللہ امر تسری ماہ جون ۱۸۶۸ء/۱۲۸۷ہجری کو امر تسر میں پیدا ہوئے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بن حضرت مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں ۱۰شوال المکرم ۱۲۷۲ہجری ۱۴/جون ۱۸۵۶ء کو بریلی روئل کھنڈ کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔

اس تقابلی جائزے سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ موصوف نے مولانا امر تسری کا تعارف کراتے وقت اُن کے لیے مشہور مفسر، مناظر اور عالم دین جیسے القابات استعمال کیے ہیں، جبکہ اعلیٰ حضرت کے لیے تعارف میں کوئی القابات تحریر نہیں کیے۔

تالیفات

مولانا امین احسن اصلاحی کی ۱۲/کتابوں کے نام اور مولانا مودودی کی ۲۳ کتب کے نام درج کیے گئے ہیں؛ جبکہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ایک ہزار کتب میں سے صرف چھ کتب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

سیاست

مولانا محمود الحسن، مولانا ثناء اللہ امر تسری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین اصلاحی، پیر کرم شاہ الازہری کی سیاسی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جبکہ مولانا احمد رضا کے تعارف میں اُن کے سیاسی افکار اور جدوجہد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جامعہ کراچی کے شعبۂ اسلامیات سے ڈاکٹر اسحاق مدنی نے اپنے مقالے "برّصغیر کی تحریکات میں فتاوٰی رضویہ کا حصّہ" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مولانا احمد رضا کی سیاسی فکر و تدبّر پر کئی اور پی ایچ ڈی کے امکانات موجود ہیں۔

تعبیری کسوٹی

موصوف نے جابجا مقالے میں امین احسن اصلاحی اور غلام احمد پرویز کی فراہم کردہ تعبیری کسوٹی پر تراجم کو پرکھا ہے؛ لیکن کہیں بھی مولانا احمد رضا خاں کی تعبیری کسوٹی کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

جرائد

ڈاکٹر صاحب نے مترجمین کی جرائد ورسائل سے وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری نے اپنی زندگی میں کل ۳ جرائد کا اجرا کیا جو امر تسر سے نکلا کرتے تھے۔ (۱) اخبار مسلمان (۲) اخبار اہلحدیث (۳) مرقع قادیان۔ (صفحہ نمبر ۲۷) مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے رسالہ "سچ" لکھنؤ سے نکالا۔ (ص ۱۲۰) مولانا مودودی ان جرائد "تاج" الجمعیت ترجمان قرآن سے وابستہ رہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے ماہنامہ "الاصلاح" اور "میثاق" جاری کیا۔ پیر کرم شاہ الازہری نے ماہنامہ ضیائے حرم جاری کیا۔

مولانا احمد رضا خاں نے "الرضا" جاری کیا۔ موصوف نے نہ جانے کیوں اس رسالے کا تذکرہ اپنے مقالے میں تحریر نہیں کیا۔

تعارفی صفحات

مقالے میں مولانا مودودی کے تعارف کے لیے ۱۷(سترہ) صفحات مختص ہیں، جبکہ مولانا احمد رضا خاں کے لیے ۹ صفحات مختص کیے گئے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

چوتھے کلیدی باب میں حوالہ جات وحواشی کی کل تعداد ۴۳ ہے۔ ان میں ایک بھی جگہ مولانا احمد رضا خاں کی کتاب کا نام درج نہیں، یہاں تک کہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کا نہ ذکر ہے اور نہ ہی حوالہ۔ پانچویں کلیدی باب میں حوالہ جات وحواشی کی تعداد ۳۹ ہے، جس میں مولانا احمد رضا کی کسی کتاب کا نام بطور حوالہ درج نہیں۔ چھٹے کلیدی باب میں حوالہ جات وحواشی کی تعداد ۳۸ ہے، لیکن مولانا احمد رضا کی کسی کتاب کا تذکرہ اس باب میں بھی موجود نہیں، جسے ڈاکٹر صاحب کی شانِ بے نیازی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

ان مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ موصوف نے مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تنگ نظری کا رویہ اختیار کیا ہے، جبکہ ان کی غیر تنگ نظری کا دعویٰ ایک سراب معلوم ہوتا ہے۔

کنزالایمان اور منتخب تراجم کا تقابلی جائزہ

النبا / ۷۸

(۱) عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ۝ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ (۱ تا ۳)

یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔ بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں، جن میں یہ لوگ مختلف رائے ہیں۔ (ثناء اللہ)

یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ بڑی خبر کی، جس میں وہ کئی راہ ہیں۔ (احمد رضا)

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں۔ (محمودالحسن)

یہ لوگ کس (شے) کے متعلق، ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں؟ اس عظیم خبر کے متعلق؟ جس کے بارے میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ (ابومنصور)

یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کی بابت، جس کے بارے میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ (عبدالماجد)

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟ (مودودی)

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں، جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ۔ (امین احسن اصلاحی)

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ (کرم شاہ الازہری)

ان تراجم میں بعض تراجم تو وہ ہیں جو آیت ثانی (عن النبا العظیم) سے سادہ بریہ اسلوب کے تحت ہیں جیسے ثناء اللہ امرتسری، احمد رضا بریلوی، محمودالحسن دیوبندی، عبدالماجد دریابادی، امین احسن اصلاحی کے تراجم اور ایک وہ ہے جو آیت ثالث سے سادہ

قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ ــــ 135

خبریہ اسلوب کے تحت ہے جیسے ابومنصور کا ترجمہ اور بعض وہ ہیں جو استفہامیہ اسلوب کے تحت کیے گئے ہیں۔ مثلاً ابوالاعلیٰ مودودی اور محمد کرم شاہ الازہری کے تراجم۔ گو یہاں دونوں طرح کے ترجمے درست ہیں مگر مضمون میں زور اور شدت پیدا کرنے کے لیے خبریہ اسلوب کے مقابلہ میں استفہامیہ اسلوب زیادہ بہتر ہوتا ہے جسے ابوالاعلیٰ مودودی اور کرم شاہ الازہری نے اپنے ترجموں میں اختیار کیا ہے۔

ان دونوں قسم کے تراجم کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آیت ثانی میں کوئی استفہامیہ مذکور نہیں جس کا ترجمہ "کیا" سے کیا جائے اور نہ ہی ڈاکٹر اوج نے اپنے دوسطری تحقیقی تجزیے میں اسلوب استفہامیہ کے ماخذ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک جگہ موصوف حیرت کا اظہار یوں کرتے ہیں: "حیرت ہے کہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ خبریہ اسلوب کے تحت ہے" جب کہ اپنی تفسیر میں آیتِ ثانی (عن النبا العظیم) کے تحت رقم طراز ہیں: "نبا" کسی بڑے واقعہ یا اہم خبر کو کہتے ہیں اس آیت میں اگرچہ حرف استفہام لفظاً مذکور نہیں، لیکن معناً یہ اسی استفہام کے تحت ہے جو پہلے آیا ہے۔" (ص ۱۳۶)

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر کی روشنی میں اس آیتِ ثانی کا ایسا استفہامیہ ترجمہ ہو جو پہلی آیت کے استفہامیہ اسلوب کے تحت ہو۔ دوسرے الفاظ میں آیت ثانی میں لفظِ استفہامیہ کا اضافہ کیے بغیر معناً ترجمہ استفہامیہ کیا جائے تو وہی ترجمہ اس آیت کی حکمت کے عین مطابق ہوگا۔

اس پس منظر میں مولانا امین احسن اصلاحی سمیت دیگر مترجمین اس اسلوب کے حسن کو اپنے اپنے تراجم میں سمونے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ لفظ استفہام کے اضافے سے استفہامیہ اسلوب اختیار کرنا کوئی کمال نہیں۔ آیت ثانی میں ایسا ترجمہ درکار ہے جس میں لفظ استفہام استعمال نہیں ہو مگر پہلی آیت کے لفظ استفہام کے تحت معناً استفہامیہ ہو۔

اس تناظر میں مولانا احمد رضا خاں محدث حنفی کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں جسے ڈاکٹر اوج اپنی بے خبری میں مطلق خبریہ قرار دے رہے ہیں۔ جب مقالے میں لکھے ہوئے ترجمے کا براہ راست تقابل کنزالایمان سے کیا گیا تو حسبِ سابق حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ڈاکٹر اوج نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آیت ثانی سے پہلے فل اسٹاپ (۔) کا الحاق کر دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں ضرور رکا جائے اس اجتہادی کوشش کا اثر ترجمے پر یہ پڑا کہ آیت ثانی کا ترجمہ مطلق خبریہ اسلوب اختیار کر گیا، جس سے مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا حسن گہنا گیا۔ ان آیات کا براہ راست ترجمہ کنزالایمان سے ملاحظہ ہو۔ "یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں بڑی خبر کی"

مولانا احمد رضا خاں قرآن کا ترجمہ کرتے وقت صرف لغت اور عربی شاعری پر مطلق انحصار نہیں کرتے بلکہ ترجمہ کرتے وقت کسبی ولدنی علوم کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ان میں سے ایک علم تجوید بھی ہے۔ علم تجوید کی روسے قرآن کی کسی آیت پر اگر "ج" کی علامت ہو تو اس پر ٹھہرنا بہتر ہے اور اگر نہ ٹھہرا جائے تو بھی جائز ہے۔ ان آیات

کا ترجمہ کرتے وقت مولانا احمد رضا خاں نے تجوید کے اس قاعدے کو اپنے ترجمے میں خوب برتا یعنی پہلی آیت کی تلاوت کرتے وقت اس پر وقف نہیں کرتے بلکہ دونوں آیات کو بغیر وقف سے پڑھتے ہیں اور ترجمے کو بھی اسی قاعدہ کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ اسی طرح ترجمے میں اگر "ہیں" پر وقف نہیں کیا جائے تو آیت ثانی کا ترجمہ استفہامیہ اسلوب کے تحت یوں ہو گا۔

(الف) "یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کر رہے ہیں بڑی خبر کی"

(ب) اگر "ہیں" پر وقف کیا جائے تو آیت ثانی کا ترجمہ خبریہ اسلوب کے تحت ہو گا۔

مذکورہ سات تراجم میں کوئی بھی ایسا ترجمہ نہیں جو دونوں اسالیب خبر اور استفہامیہ کا جامع ہو جبکہ صرف اور صرف مولانا احمد رضا خاں کا یہ ترجمہ دونوں اسالیب کا عظیم شاہ کار ہے جو قواعدِ تجوید کی رو سے خبریہ بھی ہے اور استفہامیہ بھی۔ آیت ثانی میں کسی لفظ استفہام کے اضافے کے بغیر استفہامیہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا گیا ہے، جس میں قرآنی اسلوب کی بھرپور عکاسی ہو رہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر قواعدِ تجوید کو مدِ نظر رکھا جائے تو:

(الف) آیت ثانی کا ترجمہ خبریہ اسلوب کے تحت بھی ہے۔

(ب) آیت ثانی کا ترجمہ استفہامیہ اسلوب کے تحت بھی ہے۔

(ج) کسی استفہامیہ لفظ کا اضافہ کیے بغیر ترجمے کو استفہامیہ اسلوب میں ڈھالا گیا ہے۔

(د) آیت میں سوالیہ علامت نہیں ہے، اس لیے مولانا رضا نے ترجمے میں سوالیہ علامت کا اضافہ نہیں کیا۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

حیرت ہے کہ ڈاکٹر اوج حضرت رضا کی گیرائی و گہرائی کو نہیں پا سکے اور ان کے ترجمے کو سطحی لحاظ سے مطالعہ کرنے کے بعد مطلق خبریہ قرار دے کر اپنی ترجیح سے خارج کر دیا، جبکہ اس عدیم المثال ترجمے کو علمی اور فنی لحاظ سے تمام تراجم پر فوقیت حاصل ہے۔

اس اسلوب کی ایک اور مثال کے لیے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲ کا مطالعہ کنز الایمان میں کیا جا سکتا ہے:

(۲) وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ (البلد:۲)

(۱) دراں حال یہ کہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں (کرم شاہ الازہری)

(۲) اور حال یہ ہے کہ (اے نبی) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے۔ (مودودی)

(۳) جب تو اس شہر میں اترے گا (ثناء اللہ)

(۴) اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں (محمود الحسن)

(۵) اور تو اس شہر کا آزاد شہری ہے (ابو منصور)

(۶) اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو (احمد رضا)

(۷) اور تم اس میں مقیم ہو (اصلاحی)

(۸) اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (عبد الماجد)

"ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ ترجمہ نگاروں نے "وانت" ضمیر خطاب کے مخاطب بالاتفاق آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔۔۔ مترجمین کے ہاں تو، تم اور آپ تینوں ہی لفظ استعمال ہوئے ہیں مگر چونکہ ان کے مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لیے وہ ترجمے جو لفظِ "آپ" سے کیے گئے ہیں وہ ہماری زبان کی ظاہری آداب کے مطابق دیگر تراجم کے مقابلے میں یقیناً زیادہ بہتر سمجھے جائیں گے۔" (ص۱۸۷)

یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ مترجمین کے مخاطب حضور ﷺ نہیں، ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ سے مخاطب ہے۔

فرقِ مراتب

مولانا احمد رضا خاں کا اسلوبِ خطابیہ یہ ہے کہ وہ قرآن کا ترجمہ کرتے وقت مرتبے کا لحاظ کرتے ہیں تاکہ مخاطب اور مخاطب الیہ کا فرق قاری پر خوب واضح ہو۔ اردو زبان کی یہ خاصیت ہے کہ مخاطب کے ضمائر میں فرق کو ملحوظ رکھنے کے لیے "تم" اور "آپ" کے الفاظ موجود ہیں، جبکہ یہ خاصیت دیگر زبانوں میں مفقود ہے۔ اسی لیے اردو زبان کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا چھوٹے سے مخاطب ہو تو وہ چھوٹے کے لیے "تم" کی ضمیر استعمال کرے گا اور اگر کوئی چھوٹا بڑے سے مخاطب ہو تو وہ بڑے کے لیے "آپ" کی ضمیر استعمال کرے گا۔ اسی اصول کو مولانا احمد رضا خاں نے اپنے ترجمۂ قرآن میں جابجا برتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ سے خطاب فرماتا ہے تو مولانا اس خطاب کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں (الفجر:۱۴)
اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے (الاعلیٰ:۶)
اور تمہارے رب کا حکم آئے (الفجر:۲۲)
اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (احمد رضا)

ترجمے میں اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ سے "تم" اور "تمہیں" کی ضمیر سے خطاب نہ صرف ہماری زبان کے آداب کے مطابق ہے، بلکہ اس خطاب میں توحید و رسالت، خالق و مخلوق، مساجد و مسجود، عبد و معبود کا فرق واضح ہو رہا ہے، جبکہ ضمیر "آپ" میں فرقِ مراتب ملحوظ نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا نے رسولِ کریم ﷺ کے لیے ضمیر تم اور تمہیں استعمال کی ہے جس میں ادبیت، معنویت، مقصدیت جامعیت اور عقیدۂ توحید و رسالت کی معرفت اتم درجے میں پائی جاتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی چھوٹا بڑے سے مخاطب ہو تو مولانا احمد رضا خاں اس کے لیے ضمیر "آپ" استعمال کرتے ہیں تاکہ فرقِ مراتب ملحوظ رہے، مثلاً:

اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ○ (یوسف:۹۵)
آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر ظاہر فرما دیا اور قمیص دی کہ اباجان حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھنا، ان کو بینائی حاصل ہو جائے گی۔ اس خوشخبری ملنے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا "مجھے یوسف علیہ السلام کی بو آرہی ہے" اس وقت آپ کے پوتوں اور موجود اہل و عیال نے یہ کلام کیا (تسکین الجنان، ص ۲۰۱)

یہاں بھی مولانا احمد رضا خاں نے فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضمیر "آپ" استعمال کی "تم" نہیں۔ جب چھوٹے بڑے سے مخاطب ہوں وہاں ضمیر "آپ" استعمال کی جاتی ہے، کیوں کہ یہاں پوتے اور اہل و عیال حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخاطب ہیں اس ضمیرِ "آپ" میں ترجمے کے قاری پر دادا اور پوتوں کا فرق بالکل واضح ہے۔ جب کہ اسی آیت کا ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی نے یوں کیا ہے: "تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے"

اسی طرح خطاب بظاہر نبی کریم سے ہو اور مراد امت ہو تو فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مولانا احمد رضا "سننے والے کسے بشد" یا "اے سننے والے" جیسے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں تاکہ ترجمے کے قاری کو معلوم ہو کہ یہ خطاب نبی کریم سے نہیں، بلکہ عام انسانوں سے ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں قرآن کے وجوہِ مخاطبات کے تحت قرآنی خطاب کے ۳۴ طریقے بیان کیے ہیں جن میں سے حسبِ ضرورت چند تحریر کیے جاتے ہیں:

(۱) خطابِ خاص جس سے عموم مراد ہے۔
(۲) خطابِ کرامت۔
(۳) خطابِ شفقت و محبت۔
(۴) خطابِ اظہارِ محبت۔
(۵) خطابِ تشریف۔ (جلد دوم، ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۷)

بعض علما نے قرآنی خطاب کی تین قسمیں بیان کی ہیں:
(الف) جو صرف نبی کریم ﷺ کے لیے موزوں ہے۔
(ب) جو رسول اللہ ﷺ کے سوا دوسرے ہی لوگوں کے لیے درست ہے۔
(ج) جو آپ ﷺ کے اور دوسرے لوگوں کے لیے یکساں درست ہے۔

مولانا احمد رضا خاں "قرآنی وجوہِ مخاطبات" پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ اسی لیے کنزالایمان میں موقع محل اور فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی باریکی اور عقیدے کی پاس داری کرتے ہوئے انھیں استعمال کیا گیا۔ اسی طرح "قرآنی وجوہِ مخاطبات اور کنزالایمان" پر ایک وقیع مقالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔

(۳) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ○ (اعلیٰ:۶)

(۱) ہم آپ کو پڑھائیں گے۔ پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ (کرم شاہ الازہری)
(۲) ہم آپ کو قرآن پڑھا دیا کریں گے، پھر آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ (عبدالماجد)
(۳) اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔ (احمد رضا)
(۴) ہم تمہیں پڑھائیں گے تو تم نہیں بھولو گے۔ (اصلاحی)
(۵) ہم تمہیں پڑھوا دیں گے، پھر تم نہیں بھولو گے۔ (مودودی)
(۶) البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔ (محمود الحسن)
(۷) عنقریب ہم تجھے اس طرح پڑھا دیں گے کہ تو بھولے گا نہیں۔ (ابو منصور)

(۸) تجھے ہم پڑھائیں گے، پھر تو اسے نہ بھولے گا۔ (ثناء اللہ)

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں بہر حال راقم کے نزدیک اس آیت کا بہترین وہ ترجمہ ہے جو پیر صاحب نے کیا ہے (ص ۱۸۲)

آپ اور تم کی بحث گذشتہ آیت میں کی جاچکی ہے اس لیے تکرار سے گریز کرتے ہوئے آیت کے دیگر محاسن کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس مرحلے پر ہم ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا احمد رضا خاں محدث حنفی کے تراجم کا موازنہ کرتے ہیں:

(۱) اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔ (مولانا احمد رضا خاں)

(۲) ہم آپ کو پڑھائیں گے، پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے (پیر کرم شاہ)

اس مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے: مولانا احمد رضا نے آیت کے شروع "س" کا ترجمہ "اب" سے کیا دوسرے الفاظ میں آپ نے آیت کے ہر لفظ کا ترجمہ کیا ہے جبکہ پیر کرم شاہ الازہری کے ترجمے میں "س" کا ترجمہ مفقود ہے ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں "مترجم کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کا مناسب الفاظ میں ترجمہ ضرور کرے۔" (ص ۱۶۲)

اس کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کو پیر محمد کرم شاہ الازہری کے ترجمے پر ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے الفاظ میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کو مذکورہ سات تراجم پر فوقیت حاصل ہے۔

(۴) اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ (العدیٰت،۱۱)

(۱) بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا۔ (عبد الماجد)

(۲) بے شک اس دن ان کا رب ان سے اچھی طرح باخبر ہوگا۔ (اصلاحی)

(۳) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے خوب باخبر ہوگا۔ (مودودی)

(۴) اس روز ان کا پروردگار ان کے حال سے باخبر ہوگا۔ (امرتسری)

(۵) (تو) بے شک اس دن ان کا پروردگار ان (کے احوال) سے خوب واقف ہوگا۔ (ابو منصور)

(۶) یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا۔ (الازہری)

(۷) بے شک ان کے رب کو اس دن سب خبر ہے۔ (محمود الحسن)

(۸) بے شک ان کے رب کو اس دن ان کی سب خبر ہے۔ (احمد رضا)

مذکورہ بالا تراجم میں اول الذکر چھ تراجم، زمانۂ مستقبل کے تحت ہیں اور باقی دو زمانۂ حال کے مطابق ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے آگاہی، واقفیت اور باخبری کا مضمون وارد ہوا ہے۔ مگر زمانہ مستقبل کے تراجم دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں کے حال سے باخبر نہیں ہے۔ اسے یہ آگاہی قیامت کے روز حاصل ہوگی۔

جبکہ زمانۂ حال میں کیے گئے تراجم سے بادی النظر میں ہی پتا چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ ہے اور یقیناً آئندہ بھی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے وقوف کے حوالے سے کسی بھی آیت کا ترجمہ زمانۂ مستقبل میں کرنا دراصل اس شبہ کا آئینہ دار ہو سکتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو پہلے کسی بات کا پتا نہیں ہوتا بلکہ بعد میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ اختیار کرلے تو اسے اعتقادی گمراہی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی ہر بات کی ہر وقت خبر ہے۔ بہر حال اس آیت کا راجح اور عقیدۂ اسلامی کے عین مطابق ترجمہ محمود الحسن اور احمد رضا خاں کا ہے۔ (ص ۲۱۷-۲۱۸)

ڈاکٹر اوج نے محمود الحسن اور مولانا احمد رضا خاں کے دونوں ترجموں کو صحیح قرار دیا ہے۔ جب کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی گئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں تراجم میں سو فیصد مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مرحلے پر دونوں تراجم کا ایک بار پھر مطالعہ کیا جاتا ہے:

(۱) بے شک ان کے رب کو اس دن سب خبر ہے (محمود الحسن)

(۲) بے شک ان کے رب کو اس دن ان کی سب خبر ہے (احمد رضا)

ان دونوں تراجم کے تقابل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے میں "ان کی" کا اضافہ ہے، جب کہ مولانا محمود الحسن کے ترجمے میں "ان کی" مفقود ہے آیا "ان کی" آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ ہے یا زائد ہے جب آیت کی تلاوت کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا نے "بھم" کا ترجمہ "ان کی" کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مولانا نے ہر لفظ کا ترجمہ کیا ہے اور مولانا محمود الحسن نے "بھم" کا ترجمہ نہیں کیا۔ بقول ڈاکٹر اوج کہ "مترجم کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کا مناسب الفاظ میں ترجمہ ضرور کرے"

اس اصول کے تحت دونوں تراجم برابر نہیں ہو سکتے، کیوں کہ دونوں میں سو فیصد مماثلت نہیں پائی جاتی۔ پس ثابت ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کو مولانا محمود الحسن سمیت دیگر چھ مترجمین

کے تراجم پر فوقیت حاصل ہے۔ جب کہ ڈاکٹر اوج اپنی تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دونوں تراجم برابر ہیں۔

فکری تضاد

ڈاکٹر اوج لکھتے ہیں کہ: "سورۃ الضحیٰ (آیت نمبر ۸) میں خود رسول اللہ ﷺ کی معاشی تنگ دستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: "تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا"(التفسیر، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء، ص ۸)

مزید لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے قرآن مجید میں آتا ہے کہ: "تمہارا ساتھی نہ رستہ بھولا ہے اور نہ گمراہ ہوا" (سورۂ نجم، آیت ۳، جام نور، اپریل ۲۰۱۱ء، ص ۱۶۴)

اسی طرح سورۃ النصر کی آیت کا ترجمہ ڈاکٹر اوج یوں کرتے ہیں: "اور تم نے لوگوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔" (ایضاً، ص ۱۵۸)

آپ لکھتے ہیں کہ محدث کچھوچھوی کا ترجمہ دیکھیے: "اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے ان کی خواہشوں کی، بعد اس کے کہ آیا تمہارے پاس علم تو بے شک وہ تمہارا اس صورت میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہے۔" (ایضاً، ص ۱۵۹)

اس ترجمے میں جو ندرتِ تخیل ہے وہ ہر صاحبِ ذوق سے داد کی طالب ہے۔۔۔۔ جو اسلوب اور پیرایہ اختیار کیا گیا ہے وہ یقیناً تفرد کا حامل ہے ایک بار پھر دیکھیے "اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے" سبحان اللہ! اس جملے کی لذت سخن فہموں سے پوچھیے بلاشبہ یہ ترجمہ اپنی معنویت کے اوجِ کمال پر ہے۔(جام نور، اپریل ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۹)

موصوف خود ترجمہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ کے لیے تمہارا، تجھے اور تم استعمال کر رہے ہیں۔ اسی طرح جس ترجمے میں آنحضرت ﷺ کے لیے تمہارا اور تمہارے استعمال ہوا ہے اس ترجمے سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

(الف) اس ترجمے میں ندرتِ تخیل ہے۔

(ب) تفرد کا حامل ہے۔

(ج) اس ترجمے کی لذت سخن فہموں سے پوچھیے۔

(د) یہ ترجمہ اپنی معنویت کے اوجِ کمال پر ہے۔

(ہ) یہ ترجمہ ہر صاحبِ ذوق سے داد کا طالب ہے۔

جبکہ اس کے برعکس اپنے تحقیقی مقالے میں فرماتے ہیں: تجھ، تجھے، تم، تمہیں اور آپ میں جو فرق ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ ہماری زبان میں لفظ آپ انتہائی ادب و احترام سے عبارت ہے۔(ص ۱۸۰)

اسی مقالے میں ایک جگہ اور لکھتے ہیں: "ان تراجم میں۔۔۔۔ لفظ آپ استعمال کیا گیا ہے جو ظاہر ہے تمہارا، تمہارے، تمہاری۔۔۔ کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔"(ص ۲۳)

تم، تمہارے سے متعلق مختلف آراء ڈاکٹر اوج ہی کی ہیں جس سے کھلا فکری تضاد ظاہر ہو رہا ہے جو ایک محقق کے شایانِ شان نہیں۔

حاصلات

(۲۸) تحقیقی مقالے میں تنگ نظری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

(۲۹) مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے میں موصوف نے فل اسٹاپ (۔) کا الحاق کیا ہے۔

(۳۰) مولانا احمد رضا کے ترجمے کو مطلق خبر یہ قرار دیا گیا ہے۔

(۳۱) مولانا احمد رضا نے قواعدِ تجوید کے تحت بغیر کسی لفظ کے اضافے سے آیت ثانی کو استفہامیہ اسلوب میں سمو دیا۔

(۳۲) مولانا احمد رضا خاں نے ضمائرِ مخاطب کے استعمال میں فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا۔

(۳۳) ۲۰ آیات کے اندراج میں بے احتیاطی برتی گئی۔

(۳۴) سورۂ مطففین کو مطفیفین لکھا گیا۔

(۳۵) الفجر کو سورہ نمبر ۱۴ لکھا گیا ہے جب کہ الفجر کا نمبر ۸۹ ہے۔

(۳۶) ایسے ترجمے کو برابر قرار دیا گیا جس میں پوری آیت کا ترجمہ نہیں اور جس آیت کے ہر لفظ کا ترجمہ موجود ہے۔

(۳۷) ضمائرِ مخاطب کے استعمال میں فکری تضاد پایا جاتا ہے۔

(۳۸) مولانا احمد رضا کے مذکورہ آیات کے تراجم کو سات مترجمین کے تراجم پر فوقیت حاصل ہے۔

(۳۹) مولانا احمد رضا خاں کو قرآنی وجوہِ مخاطبات پر مکمل دسترس حاصل تھی۔

(۴۰) ایسے ترجمے کو ترجیح دی گئی جس میں پوری آیت کا ترجمہ نہیں۔

(۴۱) ڈاکٹر اوج خود اپنے وضع کردہ اصول سے انحراف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

(نوٹ: سابقہ اقساط کے تسلسل میں نمبر لکھے گئے ہیں)

(جاری ہے۔۔۔)

صَرف کے معاملات اور مولانا احمد رضا خاں کی تحقیق

صبا نور (پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان)

خلاصہ: موجودہ دور میں کاغذی کرنسی بطور ثمن یا اشیا کی خریداری میں قیمت کی ادائیگی کے لئے رائج ہے۔ آج سے ۱۵۰ سال پہلے تک سونا اور چاندی ثمن کے طور پر رائج تھے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے سونا اور چاندی کی تخلیق ہی ثمن ہونے کے لئے کی ہے، اس لئے یہ ثمن خلقی کہلاتے ہیں جبکہ ان کے مقابل ثمن کے طور پر استعمال ہونے والے دیگر اموال مثلاً تانبے کے سکے، کاغذی نوٹ کرنسی کے طور پر رائج ہونے پر ثمنِ اصطلاحی کہلاتے ہیں۔ ثمن خلقی کے ثمن خلقی سے تبادلے کو صَرف کہتے ہیں۔ پیشِ نظر مقالے میں صرف کے مفہوم کی وضاحت، احادیث سے اسکے احکام اور مولانا احمد رضا خاں کی صرف سے متعلق تحقیقات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ (صبا)

''صَرف'' خرید و فروخت کے معاملات کی ایک قسم ہے۔ فقہی کتب میں اس کی تعریف اس انداز سے کی گئی ہے کہ ''صرف میں ثمن کو ثمن کے ساتھ بیچنا''۔ ثمن کی دو اقسام ہیں: ایک قسم ثمن خلقی دوسری ثمنِ اصطلاحی۔ ثمن خلقی سے مراد سونا چاندی اور اسی قسم کے سکے اور زیورات ہیں۔ دوسری ثمن اصطلاحی سے جس میں سونے اور چاندی کے علاوہ ثمن کے طور پر رائج دوسرا کوئی مال ہے مثلاً پیسہ، کاغذی کرنسی نوٹ وغیرہ۔ علامہ ابوبکر المرغینانی کے مطابق ''صرف'' یہ ہے کہ اس کے دونوں عوض کو ہاتھوں ہاتھ نقل کرنے کی حاجت ہے۔ اس عقد سے حاصل تو کچھ نہیں ہوتا سوائے زیادتی کے۔ کیونکہ اس چیز کی ذات سے نفع نہیں لیا جاتا اور صرف کے معنیٰ لغت میں بھی ''زیادت'' کے ہی استعمال ہوئے ہیں۔[1]

احادیثِ مبارکہ سے بھی اس بیع کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سونے کو سونے کے بدلے میں نہ بیچا جائے مگر ایک صورت کہ دونوں برابر ہوں اور بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں نہ بیچو مگر برابر برابر اور بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو اور ان میں ادھار کو نقد کے ساتھ مت بیچو۔''[2]

یعنی اس حدیثِ مبارکہ میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کی جارہی ہے کہ ایک ہی جنس کو دوسری جنس کے ساتھ اس وقت بیچا جاسکتا ہے جب کہ دونوں ہی برابر ہوں اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر کمی بیشی ہوگئی تو وہ سود میں شمار ہوگا۔ برابری کی سطح پر اس قسم کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے خیبر کے دن بارہ دینار میں ایک ہار خریدا تھا جس میں سونا تھا اور پوت۔ میں نے دونوں چیزیں جُدا کی تو بارہ دینار سے زیادہ سونا نکلا اس کو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا ارشاد فرمایا ''جب تک جُدا نہ کرلیا جائے بیچا نہ جائے''۔[3]

امام مالک ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ابی الحدثان سے راوی کہتے ہیں کہ میں سو اشرفیاں توڑنا چاہتا تھا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور ہم دونوں میں رضا مندی ہوگئی اور بیع صرف ہوگئی انہوں نے مجھ سے سونا لے لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا اس کے روپے اس وقت ملیں گے جب میرا خازن غابہ سے آجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن رہے تھے انہوں نے فرمایا: اس سے جُدا نہ ہونا جب تک روپیہ وصول نہ کرلینا پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''سونا چاندی کے بدلے میں بیچنا سود ہے مگر جبکہ دست بدست ہو۔''[4]

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوچکی کہ بیع صرف آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی لوگوں کے مابین طے پاتی تھی لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ اس میں یہ شرط بتادی گئی ہے کہ یہ کس طرح سے درست انداز سے قائم کی جاسکتی ہے۔

صَرف کی شرائط

صرف میں پہلی شرط جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر ایک ہی جنس کا تبادلہ ہو جیسے چاندی کی چاندی یا سونے کی سونے کے بدلے فروخت ہو رہے تو دونوں کا وزن میں برابر ہونا لازمی ہے۔ دوسری بات یہ ضروری ہے کہ جس مجلس میں یہ سودا طے پاتا ہے اسی مجلس میں دونوں یعنی خریدار اور بیچنے والے کا قبضہ ہو یعنی ہر ایک دوسرے کی شے اپنے فعل سے قبضہ میں لائے اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا۔ عقد کے بعد وہاں اپنی شے رکھ دی اور اس دوسرے شخص کی شے لے

کر چلا آیا یہ کافی نہیں ہے اس عمل سے یہ بیع ناجائز ہو جائے گی۔[۶]

صرف کے معاملے میں ایک جنس کی اسی جنس کی شے سے خرید و فروخت کی صورت میں کھرے کھوٹے مال کا بھی لحاظ نہیں کیا ہوتا، اس صورت میں بھی کمی بیشی سود ہے۔

جنس مختلف ہو جیسے سونے کو چاندی سے خریدیں تو اس طرح کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں مگر تقابض بدلین (یعنی تبادلہ کی جانے والی اشیاء پر اسی مجلس میں قبضہ) ضروری ہے۔ فقہاءِ کرام نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اگر سونے چاندی کا زیور کسی نے غصب کر لیا اور غاصب نے اسے ہلاک کر دیا اس کا تاوان غیر جنس سے دلایا جائے گا۔ مثلاً سونے کی شے ہے تو چاندی سے دلایا جائے اور چاندی کی ہے تو سونے سے کیونکہ اسی جنس سے دلانے میں مالک کا نقصان ہے۔

عاقدین میں سے تقابض بدلین اشارے سے بھی متعین کر دیں تو یہ معاملہ درست ہو گا، جیسے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میں نے یہ درہم اس درہم کے بدلے میں بیچا اور جس کی طرف اشارہ کیا اُسے اپنے پاس رکھ لیا دوسرا اس کی جگہ دیا تب بھی یہ بیع صحیح ہو گی۔

اسی طرح ایک ہی جنس کا تبادلہ ہو جیسے سونے کو سونے سے یا چاندی کو چاندی سے بیع کیا ان میں سے ایک کم ہے ایک زیادہ اس صورت میں جو مقدار کم ہے اس کے ساتھ کوئی ایسی شے شامل کی جا سکتی ہے جس کی کچھ قیمت ہو تو اس صورت میں یہ خرید و فروخت درست ہو گی۔ دوسری صورت میں اس کی قیمت اتنی ہے جو زائد کے برابر ہے تو کراہت نہیں، ورنہ کراہت ہے۔ اگر اس کی قیمت ہی نہ ہو جیسے مٹی کا ڈھیلا تو اس طرح خرید و فروخت درست نہیں ہو گی۔[۷]

صرف میں جس چیز کا تبادلہ ہوتا ہے اگر اُس میں کھوٹ ہو خالص نہ ہو تو اس میں جو شے غالب ہو اُس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کی جنس سے خرید و فروخت ہو تو وزن کرنا ضروری ہو گا۔ اس طرح اگر سونے چاندی میں اتنی آمیزش ہے کہ کھوٹ غالب ہے تو خالص کے حکم میں نہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ خالص سونے چاندی سے ان کی بیع کریں تو یہ چاندی اُس سے زیادہ ہونی چاہیے جیسے جتنی چاندی اُس کھوٹی چاندی میں ہے تاکہ چاندی زیادہ ہو جائے اور زیادتی کھوٹ کے مقابلے میں ہو۔

نوٹ بھی ثمن اصطلاحی ہے جیسا کہ آج کل لوگ اسی سے چیزیں بیچتے اور خریدتے ہیں، قرض بھی لیتے دیتے ہیں جیسے دس روپے کی شے خریدتے ہیں اور نوٹ ادا کرتے ہیں۔ دس روپے قرض لیتے ہیں اور دس روپیہ کا نوٹ دے دیتے ہیں نہ لینے والا سمجھتا ہے کہ حق سے کم یا زیادہ ملا بلکہ نہ دینے والا جس طرح اٹھنی چونی دونی کی کوئی شے خریدی اور پیسے دے دیے یا یہ چیزیں قرض لی تھیں اور پیسوں سے قرض ادا کیا اس میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔[۸]

مولانا احمد رضا کی صرف کے بارے میں تحقیق

چودھویں صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کو جہاں دوسرے بے شمار مسائل کا سامنا تھا وہاں اقتصادی مسئلے بھی مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث تھے۔ مولانا احمد رضا نے جہاں دوسرے بیش بہا مسائل میں تحقیقات پیش کر کے حق کا راستہ امتِ مسلمہ کو دکھایا وہاں اقتصادی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اس میدان میں بھی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جیسے کہ "نوٹ" مولانا احمد رضا کے زمانے میں ایک نئی شے تھی۔ بعض علمانے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ لگایا بعض نے ثمن اصطلاحی ہونے کے باوجود نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کے لین دین کو صرف قرار دیا۔ اس مسئلے میں مولانا احمد رضا کی تحریریں منظرِ عام پر آئیں جس میں انہوں نے نوٹ کو ثمنِ اصطلاحی قرار دیا اور اس کے استعمال کو جائز قرار دیا۔ آپ نے نوٹ سے سونے چاندی کی خرید و فروخت کو صَرف قرار دینے والوں کی تردید کی۔

مولانا احمد رضا نوٹ کی بیع سے متعلق فرماتے ہیں کہ نوٹ کو چاندی کے روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہو اس سے کم یا زیادہ باہمی رضا مندی کے ساتھ خواہ وہ موجل ٹھہرالیں یا معجل جو قیمت قرار پائے اس صورت میں یہ خرید و فروخت حلال ہو گی۔[۹] اسی طرح فرماتے ہیں کہ پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دونوں طرف سے قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ ایک عاقد کا قبضہ بھی کافی ہے۔ چونکہ بیع صرف میں یہ شرط موجود ہوتی ہے کہ تقابض بدلین ضروری ہوتا ہے مگر جب یہ پیسوں کی دراہم کے ساتھ تبدیلی ہو تو دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں لہٰذا اگر عاقد نے کچھ پیسے بوقت عقد ادا کیے اور کچھ دوسرے وقت تو لازمی یہ ہے کہ دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج ہوں کھوٹے نہ ہوں تو یہ جائز ہو گا، اس میں سود کا احتمال بھی نہیں۔[۱۰]

دس چاندی کے روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا بیع میں جائز ہے اور قرض میں حرام۔ یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال ہوں گے اور اگر دس روپے قرض دے کر اس شرط پر کہ دو سو چالیس یا ایک سو اکسٹھ آنے ہی لوں گا تو یہ حرام اور ربا ہوں گے۔ اسی طرح کوئی شخص تجارت کی نیت سے ہزار پانچ سو کے نوٹ خرید کر دس روپے کا نوٹ بارہ روپیہ کو قرض کے طور پر فروخت کرتا ہے اور قرض دار کو کہتا ہے کہ تم ایک سال تک ایک روپیہ ماہوار ادا کرتے رہنا اسی طرح اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کیے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال مقرر کی اس کے علاوہ قرض دار سے یہ بھی لکھوا لیتے ہیں کہ اگر تم سال بھر ادا نہ کر سکو گے تو تمہاری جائیداد وغیرہ یا اس کے ضامن سے وصول کروں گا۔[11] مولانا احمد رضا فرماتے ہیں کہ یہ صورت سراسر ناجائز ہے اور یہ بیع بھی فاسد و حرام ہو گی۔ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا ایک سو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہو گی یا ناجائز؟

مولانا احمد رضا اس سوال کے جواب میں یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ شے کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی شے جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں اس بارے میں شرع مطہرہ نے کوئی قید نہیں لگائی۔ صرف مشتری (خریدار) جس قیمت پر رضامند ہو جائے جیسے مالک دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چاہے مشتری مالک کو یک مشت رقم ادا کرے یا قسط بندی کے ساتھ یہ ان دونوں کی مرضی ہے۔ دوسری صورت جیسا کہ پہلے گزر چکا دس روپے قرض کے طور پر دے کر اس پر کچھ رقم متعیّن کرنا چاہے وہ یک مشت ادا ہو یا قسطوں کے ساتھ حرام اور سود ہو گا۔[12]

اسی طرح اگر زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدے پر بیچا اور عمرو سے یہ لکھوا لیا کہ زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم یہ روپے وصول کر لو عمرو نے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا یہ بھی جائز ہو گا کہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو لہٰذا عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کر یوں گیارہ سو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے۔[13]

خلاصۂ تحقیق

مولانا احمد رضا خاں نے ثمنِ خلقی سے ثمنِ خلقی کی خرید و فروخت کو ہی صرف قرار دیا ہے۔ ثمنِ اصطلاحی کے ذریعے وقوع پذیر ہونے والی خرید و فروخت کو آپ نے صرف کے دائرے سے باہر قرار دیا۔ ثمنِ اصطلاحی کے بیان میں آپ نے زیادہ تر نوٹ کے تبادلے پر بحث کی ہے کہ نوٹ ثمنِ اصطلاحی ہے اس کو خریدا اور بیچا جا سکتا ہے؛ کمی بیشی بھی عاقدین کی رضامندی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ نوٹ کے بارے میں اور بھی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور سود کس صورت میں ہوتا ہے یہ بھی واضح بیان کر دیا کہ جس روپے کو بطور قرض دے کر ایک متعین رقم ٹھہرا لی جائے وہ سود ہو گی علاوہ ازیں روپے پیسے کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ اشراق نوری شرح قدوری، حاجی مقبول الرحمٰن، ص ۱۳۱، مکتبہ العلم، لاہور؛ عین الھدایہ، اردو شرح ہدایہ، سید امیر علی، ج سوم، ص ۲۳۷، مکتبہ گنج شکر پریس، ۱۹۹۶ء

۲۔ صحیح بخاری، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، باب بیع الفضة بالفضةِ

۳۔ صحیح مسلم، امام المحدثین ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری

۴۔ سننِ ابنِ ماجہ، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، باب الصرف ومالا یجوز متفاضلاً ایدً ابید

۵۔ خرید و فروخت کے اسلامی احکام و دفعات، ابو عبید مولانا ڈاکٹر فرید الدین، ص ۳۵۷، مکتبہ الاحمد جامعہ نعمانیہ، ڈیرہ اسماعیل خاں

۶۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، گیارھواں حصّہ

۷۔ ایضاً

۸۔ عین الھدایۃ

۹۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، جلد ۱۷، ص ۶۰۳، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۰۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۱۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۱۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۲۱

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام (وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی)

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind. The Muslims have their own culture and their own civilization. Hence the Muslims should get a state in the Muslim majority areas where they may be able to Cultivate their religious and moral tradition. In 1925 the all India Sunni Conference took place at Muradabad. According to its plan the Muslim majority provinces of the sub-continent were to be made a separate unit with a Muslim Government.

مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابو یوسف مولانا محمد شریف ابن مولانا عبدالرحمٰن سیالکوٹی کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی جو اپنے زمانے کے متبحر عالم اور متورع و متقی بزرگ تھے۔۱۱۵ والد کے وصال کے بعد برّصغیر پاک و ہند کے ممتاز علما سے کسب کیا۔ حضرت حافظ عبدالکریم نقشبندی علیہ الرحمۃ(ف) کے دستِ حق پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت سے بھی چھ سلسلوں میں اجازت حاصل تھی۔

مولانا محمد شریف کوٹلوی نے فراغت کے بعد مجاہدۂ تبلیغ اختیار فرمایا۔ ترکِ تقلید کے انسداد اور تائید مذہب حنفیت اہلِ سنّت کے لیے آپ نے کوشش فرما کر ہفت روزہ "اہلِ حدیث" امرتسر کے بالمقابل ہفت روزہ "الفقیہہ" نامی اخبار جاری کیا، جس میں اہلِ حدیث حضرات کے خلاف مناظرانہ رنگ میں لکھتے رہے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) بھی آپ کی فقاہت کے معترف ہوئے اور پھر کئی اہلِ حدیث حضرات سے مناظرے بھی ہوئے، جس میں آپ کو برابر کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کو "فقیہہِ اعظم" کے لقب سے نوازا۔۱۱۶

فقیہہِ اعظم مولانا شریف کوٹلوی عالم شریعت اور شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین مقرر تھے اور وعظ میں اپنا ایک اسلوب رکھتے تھے، جس کی جھلک آپ کے فرزند ابو انور سلطان الواعظین محمد بشیر سیالکوٹی مدیرِ "شاہ طیبہ" میں نمایاں نظر آتی ہے۔

سیاست

تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت و معاونت پر تیار کیا۔۱۱۷

آپ اُردو، فارسی اور عربی زبان میں بہت عمدہ شعر کہتے تھے یہاں بزبان فارسی قطعہ تاریخ وفات ہدیۂ قارئین ہے، جو آپ نے اپنے پیرو مرشد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے موقع پر کہا تھا:

قبلۂ دین و کعبۂ ایماں	ناصرِ دین و مذہبِ نعماں
وارثِ علم مصطفوی	قطب دہر و غوث زماں
چشمۂ فیض و عارفِ کامل	مطلعِ نورو معدنِ عرفاں
یعنی شیخ عبدکریم	واقفِ علم و حافظِ قرآں
در شب بستم ماہ مئی	گشت از چشم ما پنہاں
ہاتف گفتہ سال و صلش	پیر عظیم ذہب جناں ۱۱۸
	۱۳۵۵ھ

مولانا شاہ عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی عبدالسلام اور والد کا نام مولانا شاہ عبدالکریم تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ تین سال کی عمر شریف میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حیدر آباد دکن سے جبل پور تشریف لائے۔ ۱۴ برس کی عمر شریف میں قرآن پاک حفظ کیا اور تمام ظاہری و معنوی علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی۔۱۱۹ فارغ ہونے کے بعد ابتداءً

''ندوۃ العلماء'' کی طرف راغب ہوئے اور اس کے پہلے بنیادی جلسے میں آپ مجلسِ عاملہ کے رُکن کی حیثیت سے شریک بھی ہوئے۔ شوال ۱۳۱۲ھ میں مجلس ندوۃ العلماء کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تو آپ اس میں بھی شریک ہوئے۔ اگلے سال شوال ۱۳۱۳ھ میں ''ندوۃ العلماء'' کا اجلاس جب بریلی میں ہونا قرار پایا اور دعوت نامہ بھی اس کا آپ کو موصول ہو گیا تو آپ کے والد نے فرمایا ''بیٹا ندوہ فتنہ ہے اور اس میں شرکت دین اور وقت کی بربادی ہے۔'' ۱۲۰

آپ کے والد ماجد شاہ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۷ھ۔ ۱۸۹۸ء) کی اگرچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بالمشافہ ملاقات نہ تھی مگر دونوں بزرگوں کے درمیان کچھ تحریری سلسلۂ تعارف ضرور تھا، جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی کئی تصانیف آپ کے نام ارسال فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے شاہ عبدالکریم کی وفات پر عربی میں قطعۂ تاریخ تحریر فرمایا جو عربی فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار ہے:

قیل مات الزکی عبدالکریم — قلت کلا بل احتظی بہ وام

حی عن بنیہ فکیف یموت — انما المیت ھالک الاوھام

ایموت الذی خلف؟ — سلم اللہ مثل عبدالسلام

جبل الدین راسخ بقیامہ — فی جبلفور شامخ الاعلام

قلت تاریخ عیشہ الابدی — دام عبدالکریم خلد کرام ۱۲۱

۱۳۱۷ھ

مفتی برہان الحق ''اکرامِ امام احمد رضا'' میں رقمطراز ہیں: ''والد ماجد کے فرمان کے ساتھ آپ بریلی روانہ ہوئے۔ حسنِ اتفاق سے الٰہ آباد سے مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی (المتوفی ۱۳۲۲ھ) کا ساتھ ہو گیا۔ بریلی کے اجلاس میں شرکت ہوئی، لیکن مولانا محمد حسین الٰہ آبادی کے اعتراض پر مولانا شبلی کی برہمی اور بدزبانی نے بدمزگی پیدا کر دی۔ چنانچہ دونوں حضرات جلسے سے واک آؤٹ کر گئے۔ چلتے ہوئے مولانا عبدالسلام جبل پوری نے امام شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ''سوالات حقائق نما برؤس ندوۃ العلماء'' پر دستخط کر کے مولانا شبلی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا: ''اس کے ہر سوال کا مفصل جواب دے کر مطمئن کرنا آپ کا اور آپ کے تمام ہم خیال اراکین کا ذمّہ ہے اور آپ سب کا اخلاقی فرض ہے۔''

اِس واقعے کے فوراً بعد مولانا عبدالسلام محلہ سوداگراں (بریلی) میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک پرچے پر نام لکھ کر کسی بچے کے ہاتھ رقعہ اندر بھیجا۔ چند منٹ کے بعد اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے؛ ہاتھ میں ایک لفافہ تھا؛ سلام دعا کے ساتھ معانقہ بھی کیا اور فرمایا: ''یہ آپ کے والد ماجد عبدالکریم جبل پوری صاحب کی کرامت ہے کہ ابھی مجھے لفافہ (خط) ملا، خط پڑھ ہی رہا تھا اور اسی فقرہ پر نظر تھی: ''فقیر زادہ عبدالسلام حاضر ہو رہا ہے، اس پر نظر کرم فرما کر اپنی تربیت اور سرپرستی میں فیضانِ علومِ ظاہری و باطنی سے اسے عزت و سرفرازی بخشیں۔'' عین اسی وقت آپ کا رقعہ ملا۔ آپ کا اسم گرامی پڑھ کر معاً متصور ہوا کہ یہ آپ کے والد محترم مولانا عبدالکریم صاحب کی کرامت ہے کہ وہ روحانی طور پر خط کے ذریعے آپ کو اس فقیر کے سپرد فرما رہے ہیں اور آپ کا ہاتھ فقیر کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی اور آنے کا سبب دریافت فرمایا جس پر مولانا عبدالسلام نے ندوۃ العلماء میں شبلی کے ساتھ گفتگو کی روداد، سوالات، حقائق نما کے ٹائیٹل پر مجلس عاملہ کے خصوصی رُکن کی حیثیت سے دستخط کے ساتھ چند اہم کلمات لکھتے ہوئے مولانا شبلی کے ہاتھ میں رسالہ دینے کا پورا واقعہ سُنایا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''ماشاء اللہ آپ نے فقیر کی بہترین نیابت و وکالت فرمائی۔ بارک اللہ!''

اعلیٰ حضرت نے مولانا عبدالسلام سے اپنے مدرسے میں ہی قیام کے لیے اِصرار فرمایا اور مولانا عبدالسلام نے اس طرح ۱۰ ماہ مسلسل اعلیٰ حضرت کے فیضِ علمی و عملی، ظاہر و باطنی، صوری و معنوی اور بیعت و ارشاد کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے اور مولانا حامد رضا خاں خلیفۂ اکبر اعلیٰ حضرت کے ساتھ درس کی تکمیل فرمائی اور پھر اعلیٰ حضرت نے آپ کی علمی و عملی، ذہنی و اخلاقی قابلیت و صلاحیت کا بنظر عمیق معائنہ فرمایا اور افتاء و وعظ اور درس کی اجازت کے ساتھ ساتھ مختلف سلاسل میں بیعت و اجازت اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ ۱۳۱۳ھ میں عربی میں ایک سند عطا فرمائی اور دستار فضیلت سے نوازا۔ ۱۲۲

مفتی برہان الحق اس جلسۂ دستار بندی سے متعلق آنکھوں دیکھا حال تحریر فرماتے ہیں: ''۲۶ / جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ بمطابق ۲۹ / مارچ

۱۹۱۹ء کو مدرسۂ برہانیہ میں جلسۂ دستارِ فضیلت ہوا۔ اس میں امام شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر بھی فرمائی۔ آپ کی تقریر ایک عجیب شاہکار تھی۔ ہر فرد محوِ سماعت تھا اور اکثر کے آنسو جاری تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان و رفعتِ مکان اور محبت وفنائیت کا جو بیان فرمایا وہ آپ ہی کا حق تھا۔ دورانِ تقریر حضرت والد ماجد کے متعلق کچھ قیمتی ارشادات اور بہترین کلماتِ خیر ارشاد فرمانے کے بعد نہایت محبت بھرے انداز میں فرمایا: "اے جبل پور کے مسلمانو! مولانا عبدالسلام کی ذاتِ ستودہ صفات صرف تمہارے لیے ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے لیے عیدالاسلام ہے اور بھی آج سے مولانا عبدالسلام کے القاب میں "عیدالاسلام" کا اضافہ کرتا ہوں۔ آئندہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ "عیدالاسلام" بولا اور لکھا جائے۔" ان مقدس کلمات کے سنتے ہی مجمع نے بلند آواز سے والہانہ انداز میں تکبیر کہہ کر خلوص و محبت کے ساتھ مسرت کا اظہار کیا والد ماجد اعلیٰ حضرت کے قدموں کی طرف جھکے، اعلیٰ حضرت نے سینے سے لگالیا اور دیر تک لگائے رہے، عجیب روح پرور، ایمان افروز اور دلکش منظر تھا اور نزولِ رحمت و برکت و سعادت کا وقت تھا۔ نعرہ ہائے تکبیر و رسالت سے فضا گونج رہی تھی۔ والد ماجد نے اعلیٰ حضرت کے دست مبارک کا بوسہ لیا۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کی پیشانی چومی، جب تک یہ منظر رہا، پورا مجمع کھڑا نعرہ ہائے تکبیر و رسالت لگاتا رہا؛ پھر اعلیٰ حضرت منبر پر رونق افروز ہوئے اور مجمع بیٹھ گیا۔ ۱۲۳؎

اعلیٰ حضرت کو مولانا عبدالسلام سے والہانہ محبت تھی۔ مولانا کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تو اعلیٰ حضرت نے تعزیتی خط کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں قطعہ تاریخ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

تحریکِ پاکستان

تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔ آپ کے نام قائداعظم محمد علی جناح نے شکریہ کا ایک خط ارسال فرمایا تھا، جو آج بھی آپ کے پوتے کے پاس جبل پور، انڈیا میں محفوظ ہے۔ قائداعظم اکیڈمی کو چاہیے کہ اس خط کو حاصل کرکے قائداعظم اکیڈمی میں محفوظ کرے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں آپ کی قیادت میں علما و مشائخ کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا۔ حیرت ہے کہ مؤرخین نے حسبِ سابق ایسی عظیم شخصیات کی خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ضیاء الدین قادری متحدہ ہندوستان کے ضلع سیالکوٹ کے گاؤں والا میں ۱۸۷۹ء / ۱۲۹۷ھ کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالعظیم تھا۔ جدِّ اعلیٰ کا نام شیخ قطب الدین قادری تھا، جو صحیح العقیدہ قادری بزرگ تھے۔ آپ کا نسبی سلسلہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۶۵۶ء / ۱۰۶۷ء) بہت ہی معروف عالم گزرے ہیں۔ ۱۲۴؎

ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد حسین نقشبندی پسروری (المتوفی ۱۳۷۸ھ) سے سیالکوٹ ہی میں حاصل کی۔ پھر لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں بیگم شاہی مسجد میں حضرت مولانا غلام قادر بھیروی (المتوفی ۱۳۴۷ھ) سے لگ بھگ ڈیڑھ سال کتابیں پڑھیں اور پھر علم کی پیاس بجھانے کے لیے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت محدثِ اعظم وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث مکمل کیا اور دیگر علوم وفنون کی بھی تکمیل کرکے سند فراغت محدث صاحب کے مدرسہ میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے حاصل کی۔ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت نے ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں حضرت ضیاء الدین مدنی کو سلسلے میں داخل فرماتے ہوئے سلسلۂ عالیہ قادریہ، رضویہ کی اجازت وخلافت بھی عطا کی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف صرف ۱۸ برس تھی۔

مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اُستاد محترم حضرت محدث اعظم مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ پہلے اور آخری شاگرد ہیں جنہیں حضرت محدث سورتی نے خلافت واجازت رحمت فرمائی۔ ۱۲۵؎

مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۱۸ھ میں بغداد شریف کا قصد کیا، جہاں آپ ۹ برس تک رہے اور کئی بزرگوں سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ان میں شیخ حسین الحسنی الکردی، شیخ مصطفیٰ القادری شرف الدین وغیرہ ان حضرات سے بھی اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔ ۱۳۲۷ھ میں آپ بغداد شریف سے مدینۂ منوّرہ پہنچے۔ اس وقت وہاں ترک حکوت سلطنت عثمانیہ قائم تھی؛ جہاں اسلامی تہوار بڑے شان و شوکت سے منائے جاتے تھے۔ تمام آثار کو حکومت کی جانب سے تحفظ حاصل تھا، مگر انگریز کی فریب کاری نے نام نہاد

مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور اس طرح ترک حکومت کا خاتمہ ہوا۔ حضرت کچھ عرصے کے لیے ترک لوگوں کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔ بعد میں ۱۳۳۴ھ میں شریف مکّہ محافظ حرمین شریفین ہوا تو واپس مدینۂ منوّرہ آ گئے۔ مگر پھر شریف مکّہ اور سعودی خاندان کے درمیان ۱۳۴۳ھ میں جنگ ہوئی شریف مکّہ کو شکست ہوئی اور سعودی خاندان عبدالوہاب نجدی کا پیروکار برسر اقتدار آ گیا، مگر حضرت پھر مدینۂ منوّرہ میں ہی رہے اور آخر دم تک یہاں قیام کیا۔

حضرت ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے لگ بھگ ۷۰ برس سے زیادہ مدینۂ منوّرہ میں گزارے، جہاں ہزاروں علما و مشائخ سے ملاقات ہوئی اور ہر کوئی عالم جو مدینۂ منوّرہ پہنچتا وہ آپ سے ضرور شرف ملاقات حاصل کرتا اور آپ کی روزانہ کی محفلِ میلاد میں ضرور شرکت کرتا۔ تمام علما و مشائخ آپ کو قطب مدینہ تصوّر کرتے ہیں۔ آپ نے اگرچہ کوئی باقاعدہ تدریس تو نہیں کی مگر درحقیقت آپ نے رشد و ہدایت کے جو دریا بہائے ہیں اس کی گواہی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں آپ کا مرید نہ ہو اور ہزاروں علما و مشائخ کو خلافت عطا فرمائی اور آپ کے خلفا کی اس قدر طویل فہرست ہے کہ اس کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ پاک و ہند کا کوئی عالم ایسا نہیں جو آپ کے پاس حاضر ہوا ہو اور آپ نے اس کو خلافت سے نہ نوازا ہو اسی طرح بلادِ عرب میں بھی سینکڑوں خلفا موجود ہیں۔

آپ نے طویل عمر پائی اور مدینہ پاک ہی میں سفر آخرت باندھا۔ آپ کا وصالِ پر ملال ۴ ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ / ۲ ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ہوا۔ نمازِ جنازہ مسجد نبوی میں آپ کے خلیفہ فضیلۃ الشیخ مفتی محمد علی مراد شامی نے پڑھائی۔ جنّت البقیع میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار مبارک سے چند قدم آگے آپ کو دفنایا گیا۔ ۱۲۶

تحریکِ پاکستان میں حصّہ

۱۹۴۶ء میں منتظمین آل انڈیا سنّی کانفرنس کے نام ایک پیغام میں فرمایا کہ تحریکِ پاکستان میں حصّہ لینا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور علماء اہلِ سنّت جو موقف اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔ یہ پیغام متعدد علماءِ کرام کی زبانی سُنا گیا ہے، جس کی تحقیق جاری ہے۔

پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سیّد سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۸۷۸ء کے لگ بھگ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز دیہات میں ایک ممتاز سیّد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۱ والد ذیشان کا نام محمد عبداللہ تھا جو جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں سیّد محمد احسن تھانوی اور دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں پڑھیں۔ ۱۲۸ بعد ازاں علومِ اسلامیہ کی منتہی کتب کی تکمیل خاتم الحکما مولانا ہدایت اللہ جونپوری سے کی۔ ۱۲۹ سیّد صاحب کو اپنے اُستاد مولانا جونپوری سے بڑی گہری محبت تھی۔ مولانا ہدایت اللہ کے شاگردوں میں حضرت شاہ سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صدر الشریعۃ مولانا حکیم امجد علی صاحب (مصنف بہارِ شریعت)، اُستاذ العلما حکیم سیّد برکات احمد ٹونکی، مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی اور مولانا شیر علی (المتوفی ۱۳۵۴ھ)، صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد قابل ذکر ہیں۔ آپ کا وصال ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۷ء میں جونپور ہی میں ہوا اسی وجہ سے جونپوری زیادہ مشہور ہیں۔ (حکیم عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج:۸۔ ص:۵۲۰)

سیّد سلیمان اشرف مرحوم کو حقیقت یہ ہے کہ اپنے اُستاد کے ساتھ عقیدت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ ان کے حالات جب کبھی وہ سناتے تھے تو ان کے طرز بیان اور گفتار کی ہر ادا سے ان کی والہانہ تراوش کرتی تھی۔ ۱۳۰

مولانا ہدایت اللہ کی عظیم شخصیت کے علاوہ مولانا سلیمان اشرف جس دوسری عظیم شخصیت سے متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ کو امامِ اہلِ سنّت سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف کے ایک عزیز شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی تحریر فرماتے ہیں: "اُستاذِ محترم سیّد سلیمان اشرف پر حضرت بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں قدس سرّہٗ کی شخصیت کا اندازہ دراصل اُستاذِ محترم ہی کی شخصیت سے لگایا۔ وہ اکثر مولانا بریلوی کا ذکرِ خیر چھیڑ دیتے اور اکثر ان ہی کے تصوّر میں مگن رہتے، حتیٰ کہ اُستاد محترم کی طبیعت ان کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ وہ معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی اور قوت بیان میں حضرت مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعائر کی

مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت روانہ رکھنا یہ سب صفات دونوں میں مشترک تھیں۔ اسی طرح عشقِ رسول ﷺ کے معاملے میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سیّد صاحب میں حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا تھا۔"

سیاست میں حصّہ

۲۱۔ ۱۹۲۰ء میں جب عدم تعاون کا طوفان اُٹھا تو مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تمام تر قوت علی گڑھ کالج کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے کے لیے وقف کر دیں تو مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، ڈاکٹر سر ضیاءالدین اور مولانا سلیمان اشرف صاحب ہی کی مساعی اور کوشش سے مسلمانانِ ہند کا یہ عظیم ادارہ شکست و ریخت سے محفوظ رہا۔ اگرچہ ان حضرات پر مخالفین کی طرف سے ہر طرح کے طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ کی گئی، لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ مولانا شروانی کو تو مولانا آزاد کے ہمنواؤں کی طرف سے حبیب الشیطان کا خطاب بھی ارزانی ہوا۔ ۱۳۱

عدم تعاون کی تحریک کے زمانے میں سیّد صاحب نے ایک کتاب "النور" تصنیف فرمائی، جس میں دو قومی نظریہ پر کھل کر بحث کی اور ان غیر شرعی اقوال کا جو مولانا عبدالباری محلی، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان سے نکلے تھے۔ ردِّ بلیغ فرمایا اور آیات و احادیث سے ثابت کر دیا کہ کفر ملّتِ واحدہ ہے۔ اسلام کے مقابلے میں دیگر تمام مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت اور ہندو دھرم یک جاں و یک آواز ہیں۔ اس کتاب نے آگے چل کر دارالعلوم علی گڑھ کے طلباء پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور دو قومی نظریہ کو عام کرنے میں یہ کتاب بہت مدد و معاون ثابت ہوئی۔

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے کی علی گڑھ کی حالت کی جو قلمی تصویر پروفیسر رشید احمد صدیقی (م ۱۹۷۷ء) نے اپنے جادو نگار قلم سے کھینچی ہے وہ ملاحظہ ہو: "۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کو آپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے، گائے کی قربانی اور موالات پر بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اس زمانے کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کیا سے کیا ہو گیا، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کیا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ کالج میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی مرحوم (سیّد سلیمان اشرف صاحب) مطعون ہو رہے تھے، لیکن چہرہ پر کوئی اثر نہیں تھا۔ سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہدِ سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔" ۱۳۲ علی گڑھ میں آپ کی قیام گاہ آدم جی منزل علما و فضلا کا مرجع تھی مستقل حاضر باشوں میں مولانا عبدالحق، (جب وہ علی گڑھ میں ہوتے) ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسی فاضل ہستیاں شامل تھیں۔

مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ درجن کے قریب بلند پایہ کتابیں آپ کے قلم سے نکلیں جن میں نمایاں یہ ہیں:

۱۔ "المبین" عربی زبان پر ایک نادر کتاب ہے۔ مولانا نے اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر اقبال کو بھی بھجوایا تھا، اتفاقاً کچھ روز بعد اقبال علی گڑھ گئے تو دوران ملاقات اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور فرمایا "مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا۔" ۱۳۳ "المبین" کو ۱۹۳۰ء میں ہندوستان اکیڈمی، الٰہ آباد کی طرف سے بہترین تصنیف ہونے پر پانچ سو روپیہ انعام کی جن لوگوں نے سفارش کی، ان میں نیاز فتح پوری، پروفیسر رشید احمد صدیقی، سیّد سجاد حیدر یلدرم اور سیّد سلیمان ندوی صالح جیسی باکمال ہستیاں تھیں۔ ۱۳۴

۲۔ "النور" دو قومی نظریہ پر ایک جامع ترین تصنیف ہے ۱۹۲۱ء میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ سے شائع ہوئی تھی اور اس قابل ہے کہ نئی ترتیب کے ساتھ از سرِ نو شائع کی جائے۔

۳۔ "الرشاد" گائے کی قربانی کے موضوع پر لکھی گئی۔

۴۔ "الانہار" امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ہشت بہشت کے شروع میں بڑے سائز کے ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ایک فصیح و بلیغ مقدمہ لکھا جسے "الانہار" کہا جاتا ہے۔

۵۔ "الحج" حج و زیارت کے موضوع پر تالیف کی، روزنامہ ہمدم، لکھنؤ نے ۲۸ / اپریل ۱۹۲۸ء کے شمارے میں مذکورہ کتاب پر تبصرہ و

تعارف کراتے ہوئے لکھا۔ نجدی حکومت میں جب مآثرِ مقدسہ اور مقاماتِ متبرکہ کی توہین کی، مزارات کو منہدم کیا؛ یہاں تک کہ غلافِ خانۂ کعبہ کو بھی نہ بخشا۔ غلافِ کعبہ، جو قدیم سے مصر میں تیار ہو کر آتا، اسے بھی روک دیا۔ جس وفد نے غلافِ کعبہ لانے کا اہتمام کیا، ۱۹۲۸ء میں اس پر حملہ کر دیا۔ اگلے سال مصریوں سے غلافِ کعبہ لینے سے انکار کر دیا۔ انہی ایّام میں ہندوستان کے مسلمانوں نے غلاف کعبہ کو بنا کر بھیجنے کا اہتمام کیا۔ خانۂ کعبہ اور غلاف کی تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی؛ چنانچہ آپ نے "الحج" نامی کتاب تالیف فرمائی۔

شاگردوں کے لحاظ سے آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ آپ کے درجنوں شاگرد علمی دنیا میں ماہتاب و آفتاب بن چکے ہیں۔ آپ کا وصال ۵/ ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ / ۲۵/اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا اور شروانیوں کے قبرستان (احاطہ یونیورسٹی) میں دفن کیے گئے۔ آپ کی وفات پر ناظمِ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے کہا: "ہمارا سردار اُٹھ گیا"۔ رشید احمد صدیقی نے لکھا: مولانا سلیمان اشرف صاحب اس جہاں سے اُٹھ گئے اور اپنے ساتھ وہ تمام باتیں لے گئے جو میرے لیے اب کسی اور میں نہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

نوٹ: آپ اگرچہ ۱۹۳۹ء میں دنیا سے رُخصت ہوئے لیکن اس وقت تحریکِ پاکستان کی آواز پوری دنیا میں گونج رہی تھی اور آپ اس وقت علماءِ اہلِ سنّت کے ہمراہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں دورہ کر رہے تھے اور آپ کی محنتوں اور جدوجہد کا ثمر حصولِ پاکستان کی صورت میں سامنے آیا۔ آپ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ایک بنیادی رُکن تھے۔ الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ (۱۹۲۵ء) مراد آباد کی تشکیل میں موجود تھے۔ علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کے مؤیّدین میں سے تھے۔ حضرت علامہ اقبال اور آپ کے درمیان اچھے تعلقات تھے۔ علامہ اقبال آپ کے ایک پرچۂ امتحان کے ممتحن بھی رہ چکے تھے۔

مفتی محمد برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت مؤرخہ ۲۱/ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء بمقام جبل پور) ایم پی، انڈیا) میں ہوئی۔ ۱۳۵ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا شاہ عبدالسلام سے حاصل کی اور بعد میں مدرسۂ برہانیہ (جبل پور) میں فارسی اپنے چچا محترم قاری بشیر الدین سے پڑھی۔ آپ کی ملاقات ۱۹۰۲ء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی بار بمبئی میں ہوئی۔ پھر آپ ۱۹۱۴ء میں خود بریلی حاضر ہوئے اور دارالافتاء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات قلمبند کرنے کا کام آپ کے سپرد ہوا اور اسی دوران دارالعلوم منظر اسلام میں مولانا ظہور حسین مجددی کے درس میں شریک ہوتے رہے۔ کم و بیش تین سال مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جبل پور تشریف لائے تو وہاں مولانا موصوف کو ۴۵ علوم و فنون اور گیارہ سلسلوں میں اجازت و خلافت سے نواز کر دستار بندی فرمائی اور سندِ فراغت عطا فرمائی۔ ۱۳۶

مولانا کی سیاسی خدمات

۱۹۲۰ء میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کے اجلاس میں بریلی تشریف لے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (المتوفّٰی ۱۹۵۸ء) ۱۳۷ سے دوٹوک باتیں کیں۔ کیونکہ مولانا ابوالکلام آزاد ابتدائی دور میں ان کے رفقاءِ کار کی سیاسی پولیسی کے مخالف تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے خیال میں احیاءِ اسلام کا واحد ذریعہ "پان اسلامک" تحریک تھی۔

مولانا عبدالباقی نے تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت میں بھرپور حصّہ لیا۔

مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خلفاءِ کرام کے ساتھ مختلف تحریکوں میں بھی بھرپور حصّہ لیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں بڑھ چڑھ کر کاوشیں کیں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی ایک شاخ جبل پور میں قائم کی۔

مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علماءِ ہند کے اہتمام سے مولانا ابوالکلام آزاد کی زیرِ صدارت ایک عام اجلاس بریلی میں منعقد ہوا، جس میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی گئی۔ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو شرکت نہیں فرمائی، بلکہ علما کا ایک وفد ستر (۷۰) سوالات بعنوان "اتمام حجتِ نامہ" مرتب کر کے بھیجا۔ ۱۳۸ اس وفد میں مولانا برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ مندوب کی حیثیت سے شریک تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کو آپ نے جرأت مندی سے کام لیتے ہوئے لاجواب کر دیا تھا۔

۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو جب لاہور کے تاریخی اجتماع میں قرار دادِ

پاکستان منظور کی جس میں یہ مطالبہ رکھا گیا تھا کہ ایک اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کو ماننے والوں کے لیے علیٰحدہ خطہ حاصل کیا جائے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور وہ مسلمانوں کے لیے مسلم ریاست ہو اور اس کے علاوہ مشرق، مغرب اور جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ علاقے آزاد اور خود مختار مسلم ریاست قرار دیے جائیں۔ اس قرار داد پاکستان کی منظوری کے بعد علما کے دو گروہ ہوگئے۔ ۹ ۱۳ ایک گروہ نے قرار دادِ پاکستان کی تائید و حمایت کی اور دوسرے گروہ نے اس کی مخالفت کی۔ مولانا موصوف بھی اس گروہ میں شامل تھے جنہوں نے پاکستان کی قرار داد کی حمایت و تائید کی اور اس سلسلے میں پورے ملک کے طول و عرض میں دورے کیے۔ سرحد، پنجاب، سندھ میں تقریریں بھی کیں اور پاکستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کی آپ کی اس جدوجہد کو محمد علی جناح نے سراہا۔[۱۴۰]

دینی خدمات

مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس کے علاوہ زیادہ خدمت دارالافتاء کی ہے۔ مولانا موصوف نے تقریباً ۷۵ برس مسلسل فتویٰ نویسی کی اگر ان فتووں کو جمع کیا جائے تو یقیناً ایک ضخیم ذخیرۂ تحریر وجود میں آسکتی ہے۔ البتہ آپ کی جملہ تصانیف جو منظرِ عام پر آچکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ❖ اجلال الیقین بتقدیس سید المرسلین (۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۸ء) مطبوعہ (کلکتہ)
- ❖ البرہان الاجلی فی تقبیل اماکن الصلحاء (غیر مطبوعہ)
- ❖ الاھلال لشہادات رویۃ الہلال (مطبوعہ)
- ❖ روح الوردہ الفتح علی سوالات ہر دا (مطبوعہ)[۱۴۱]

آپ کا وصال ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء کو جبل پور انڈیا میں ہوا۔[۱۴۲]

حضرت مولانا محمد حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۳۱۰ھ بریلی (یوپی) میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ محمد حسن رضا خاں (ف) (المتوفی ۱۳۲۶ھ) تھے۔[۱۴۳] ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم "منظر اسلام" سے تعلیم حاصل کی۔ اس دوران اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ کچھ عرصے رامپور کے مدرسہ "ارشاد العلوم" میں معقولات کی کتابیں مولانا ظہور الحسن اور مولانا عبد العزیز سے پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے حسن پریس کے نام سے ایک پریس قائم کیا اور حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے رسائل شائع کیے۔

مولانا محمد حسنین رضا بریلوی نے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل کی اور اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی آپ سے منسوب تھیں۔

سیاسی خدمات

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خلفا کی طرح آپ نے بھی مختلف تحریکاتِ باطلہ اور دیگر جنم لینے والے فتنوں کے سدِّباب کے لیے حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر بھرپور کام کیا۔ آپ نے خلافت کمیٹی، ندوہ تحریک، فتنۂ وہابیت کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

جماعت انصار الاسلام ۱۳۳۹ھ میں وجود میں آئی۔ اس کے سرپرستِ اعلیٰ، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سیاست سے دور رہ کر سیاست کو سُدھارنا چاہتے تھے۔ اسی لیے سیاسی نقطۂ نظر کی وجہ سے جماعتِ انصار الاسلام بریلی کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ دراصل جماعتِ رضائے مصطفیٰ کی ایک ذیلی تنظیم تھی چونکہ جماعتِ رضائے مصطفیٰ مذہب میں رہ کر سیاسی حالات کو مذہب کی طرف موڑنا چاہتی تھی۔

جماعت انصار الاسلام کے ناظم اعلیٰ مولانا حسنین رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی تھے۔ آپ ایک جید عالمِ دین فقیہہ و مدبر تھے اور سیاست کے پیچ و تاب سے بھی خوب واقف تھے۔ حق بات کہنے اور حق کو قبول کرنے میں کبھی بھی نہیں جھجکتے تھے۔ آپ اپنے موقف کی وضاحت بڑے اچھے انداز سے اور بے باکی کے ساتھ کرتے تھے۔ جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس ۲۴، ۲۳، ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمقام مسجد نو محلہ بریلی میں بہت آب و تاب اور شان و شوکت سے منعقد ہوتی رہی۔

سنی کانفرنس کی کامیابی پر مولانا حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں: ''لیکن مسلمانوں میں جو شوق بیدار ہو چکا تھا اس نے تمنا کے بڑھتے قدم کے لیے ان افواہوں اور غلط خبروں کو سہارا اور زنجیر پا نہ ہونے دیا۔ اوّل وقت سے ہزار ہا آدمی کا مجمع مسجد نو محلہ میں محوِ اشتیاق ہو کر پہنچا۔ الحمد للہ یہ اس جلسے کی کامیابی کی پہلی منزل تھی، ورنہ جلسے کی دعوت پر اس قدر زور نہ دیا گیا تھا جس قدر اس کو روکنے اور غلط خبروں سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ۱۴۴ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں ہیں۔

وفات

مولانا محمد حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۹۱ برس کی زندگی پائی اور ۵/ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو آپ اس دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

حوالہ جات

۱۱۵۔ مولانا محمود احمد قادری تذکرہ علماء اہلِ سنّت ص:۲۲۵ مطبوعہ کانپور، انڈیا۔

(ف) عارف کامل حضرت خواجہ حافظ محمد عبد الکریم نقشبندی قدس سرّہ العزیز (پ ۱۲۶۴ھ۔ ۱۸۴۸ء) (م ۱۳۵۵ھ۔ ۱۹۳۶ء) کثیر الکرامات بزرگ تھے۔ ہزاروں لوگوں کو ذکر و فکر کی لذت سے آشنا کر دیا۔ آپ کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ شیعہ اور مرزائیوں کا مدلل رد فرماتے۔ اس سلسلے میں ایک نادر کتاب ہدایۃ الانسان الیٰ سبیل العرفان بھی تالیف فرمائی۔ آپ کے خلفا میں مولانا محمد شریف کوٹلوی، مولانا حکیم خادم علی، خواجہ صوفی نواب الدین موہری شریف، مولانا عبد الرحمٰن (فرزد) اور مولانا قاضی عالم الدین نہایت مشہور ہوئے۔ (ماخوذ از: تذکرہ اکابر اہلِ سنّت پاکستان ص:۲۵۹، ۲۶۱)

۱۱۶۔ مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علماء اہلِ سنّت ص:۲۲۶ مطبوعہ کانپور انڈیا۔

۱۱۷۔ محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۴۷ء) ص:۷۳، مطبوعہ گجرات ۱۹۷۸ء۔

۱۱۸۔ مولانا عبد الحکیم شریف قادری، آشاد الکریم، سوانح حیات، مطبوعہ۔

۱۱۹۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، فقیہ اسلام، ص:۲۴۳، ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

۱۲۰۔ اس واقعے کو مولانا عبد السلام کے صاحبزادے مفتی برہان الحق اپنی یادداشت میں یوں رقم کرتے ہیں کہ اس موقعہ پر جد امجد نے فرمایا۔ ''ندوہ میں شریک ہو یا نہ ہو، لیکن مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور ملنا، اس وقت ان کا علم و فضل و کمال اپنی وسعتِ تابانی اور تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے بے نظیر و بے مثال، انتہائی عروج و کمال پر ہے۔ جس طرح بھی ہو، مولانا کی خدمت میں رہ کر جتنا فیض حاصل کر سکو تمہارے خاندان کے لیے باعث رحمت و برکت و سعادت و سربلندی ہو گا۔ بریلی میں ندوہ کا یہ اجلاس تمہارے لیے حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علم و فضل و سعادت حاصل کرنے کا انشاء اللہ ذریعہ اور سبب ہے اکرامِ امام احمد رضا۔ ص:۳۰۔

۱۲۱۔ حکیم عبد الحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۲۵، مکتبۂ خیرِ کثیر، کراچی

۱۲۲۔ مفتی برہان الحق، اکرام امام احمد رضا، ص:۳۰ ۳، مرکزی مجلس رضا، لاہور

۱۲۳۔ مفتی برہان الحق، اکرام امام احمد رضا، ص:۵، ۳۴ ۳، مجلس رضا، لاہور

۱۲۴۔ تذکرہ علماء اہلِ سنّت / محمود احمد قادری، ۱۹۹۲ء۔

۱۲۵۔ روزنامہ حریت، کراچی، ۱۵، اکتوبر، ۱۹۸۱ء۔

۱۲۶۔ خلیل احمد رانا، انوارِ قطبِ مدینہ۔

۱۲۷۔ تذکرہ علماء اہلِ سنّت۔ محمود احمد قادری، ۱۹۹۲ء۔

۱۲۸۔ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۳۹ء، شذرات، سلیمان ندوی، ص:۴۰۴

۱۲۹۔ ایضاً۔

۱۳۰۔ مولانا الشیخ الفاضل الکبیر ہدایت اللہ بن رفیع اللہ الحنفی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ فضل حق ابن فضل امام خیر آبادی سے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ صحاح ستہ سیّد عالم علی حسینی انگینوی (المتوفّٰی ۱۲۹۵ھ) سے پڑھیں۔ طویل عرصے تک جون پور میں مدرسہ حنفیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ ۱۸۷۰ء میں صدر مدرس بنا دیے گئے۔

۱۳۱۔ مقالاتِ یومِ رضا حصّۂ سوم، مطبوعہ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۱۰،۹۔

۱۳۲۔ ایضاً، دسمبر، ۱۹۵۰ء، صدر یار جنگ، مولانا عبد الماجد دریابادی۔ ص:۴۸۱

۱۳۳۔ گنج ہائے گراں مایہ، مطبوعہ لاہور، ص:۳۱،۲۹۔

۱۳۴۔ ایضاً ص:۴۱۔

۱۳۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ: معارفِ اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۵ء، ص:۳۸۷،۳۸۶۔

۱۳۶۔ ایضاً، ص:۲۳۔

۱۳۷۔ تذکرہ علماءِ اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص:۶۹۔

۱۳۸۔ تذکرہ خلفاءِ اعلیٰ حضرت / مجید اللہ قادری، کراچی۔ ۱۹۹۲ء، ص:۲۷۳

۱۳۹۔ موجِ کوثر، محمد اکرام شیخ، ۱۹۶۶ء، ص:۲۷۳۔

۱۴۰۔ تذکرہ خلفاءِ اعلیٰ حضرت، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کراچی۔ ۱۹۹۲ء، ص:۲۷۵

۱۴۱۔ قرار داد پاکستان تاریخ کا تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، ۱۹۹۰ء، ص:۶۸۔

۱۴۲۔ قرار داد پاکستان تاریخ کا تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، ۱۹۹۰ء، ص:۶۹۔

۱۴۳۔ تذکرہ خلفاءِ اعلیٰ حضرت / محمد صادق قصوری، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۷۶

۱۴۴۔ تذکرہ علماءِ اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص:۶۹۔

۱۴۵۔ خلفاءِ اعلیٰ حضرت، مجید اللہ قادری، صادق قصوری، ۱۹۹۲ء ص:۲۲۲۔

(ف) آپ اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی ہیں۔

۱۴۶۔ تاریخِ جماعتِ رضائے مصطفی، محمد شہاب الدین رضوی، ص:۳۰۲۔

حضرت علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن رضوی القادری

ڈاکٹر امجد رضا امجد (ادارۂ شرعیہ، پٹنہ، بہار، انڈیا)

امام احمد رضا آپ سے سینکڑوں خلفا و تلامذہ عرب و عجم میں پھیلے ہوئے تھے۔ جیسے جیسے رضویات پر تحقیق آگے بڑھ رہی ہے امام احمد رضا کے وابستگان کا ایک جہان دریافت ہو رہا ہے۔ ان خلفا و تلامذہ کی فہرست میں ایک شخصیت علامہ سید عبد الرحمٰن قادری کی بھی ہے۔ پیش نظر مضمون میں ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ (عبید)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی و روحانی صحبت نے بے شمار افراد کو نوازا۔ ان کے فیض یافتگان میں ہند و پاک کے افراد بھی شامل ہیں اور حرمین طیبین کے بھی، علما بھی ہیں عرفا بھی، درسگاہی بھی ہیں خانقاہی بھی۔ سب اپنے اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

ع جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

ان عظیم شخصیات میں ایک نہایت ہی معتبر و مستند اور مبارک نام ہے حضرت علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن رضوی القادری منظری بہاری کا جنہیں اعلیٰ حضرت نے کتابوں سے پڑھایا، نگاہوں سے پلایا اور نسبت مصطفےٰ جان رحمت کے سبب خود بھی جن کی تکریم کی اور اس کے محترم ہونے کی سند دی۔ دیکھا جائے تو بہار سے امام احمد رضا قدس سرہ کا اور امام احمد رضا قدس سرہ سے اہل بہار کا بڑا گہرا اور معتبر رشتہ ہے۔ اگر اس رشتے کو ایک موضوع کے تحت عنوانات میں تقسیم کر دیا جائے تو:

(۱) امام احمد رضا کے تلامذۂ بہار
(۲) امام احمد رضا کے خلفاء بہار
(۲) امام احمد رضا اور مشائخ بہار
(۳) امام احمد رضا اور محققین بہار

وغیرہ موضوعات سامنے آجائیں گے اور ان پہ تحقیقی کام کی ضرورت کا بھی ہمیں احساس ہوگا۔ کیوں کہ ان تمام پہلوؤں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شخصیت کے ہمہ جہت جلوے پوشیدہ ہیں۔ ان جلووں کا ایک پر کشش مجموعہ حضرت علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن قادری کی ذات ہے جن سے آج تک ہماری بے اعتنائیوں نے ہمیں دور رکھا اور ایک طویل عرصے تک ان کی سیرت و سوانح کے پر اثر افکار و کردار سے ہم محروم رہے۔

آپ کا آبائی وطن موضع نزہٹ ضلع نوادہ بہار ہے، لیکن آپ کی ولادت ۱۲۹۴ھ میں آپ کے نانا جان عارف باللہ سید شاہ عبد الحق قادری علیہ الرحمہ کے دولت کدہ بیتھو شریف، ضلع گیا، بہار میں ہوئی۔ آپ کے بچپن کے زمانے میں ہی والد محترم حضرت سید شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا جو "کیری شریف" کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ پھر آپ کی تعلیم و تربیت نانا جان قبلہ کے حصّے میں آئی۔ نانا جان نے بچپن میں اپنے رنگِ عرفان میں آپ کی ایسی تربیت کی کہ بڑا ہو کر وہ نکھر کر کندن ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ کے تعلیمی مراحل کے تعلق سے ابتدائی تعلیم سے فراغت تک کی تعلیم کا باضابطہ تذکرہ عام طور پر کہیں دستیاب نہیں ہے۔ آپ کے سوانح نگار سید شاہ محمد حسنین رضا قادری سجادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ کیری شریف، بانکا (بہار) نے ایک جگہ اس تعلق سے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ سے پتا چلتا ہے کہ خانگی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر آپ نے سہسرام، کانپور، بلند شہر کا رخ کیا۔ وہاں درس نظامی کی متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس تعلیمی سفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اندر مزید حصولِ تعلیم کا ذوق اور بھی بڑھ گیا اور یہ جذبہ جب طغیانی پر آگیا تو اب اس کی تسکین کے لیے صرف ایک بارگاہ تھی جہاں سائلوں کی بھیڑ تھی، پینے والوں کا میلا تھا اور لے جانے والے بھر بھر کر جامِ علمِ شریعت و طریقت لے جا رہے تھے۔ آپ کو بھی وہاں پہنچنے کا باطنی اشارہ ہوا اور آپ سیدھے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ گویا اب آپ اس در تک پہنچ گئے جہاں آپ کی ہر تشنگی دور ہو سکتی تھی، ہر خلش کا علاج تھا اور جہاں آپ طبیعت کے مطابق شریعت و طریقت کا جام سیر ہو کر پی سکتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے آپ کی تربیت کا معقول انتظام کیا۔ تعلیم کے لیے اسباب مہیا کروائے اور پھر رفتہ رفتہ انہیں اس لائق بنادیا کہ رضوی دارالافتاء میں آنے والے استفتا کا جواب دینا بھی آپ کے حصّے میں آگیا۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے اعلیٰ حضرت کی حیات میں ہی ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۰ھ تک فتاویٰ لکھے، اس پر اعلیٰ حضرت نے تصدیق فرمائی گویا اعلیٰ حضرت نے اپنے فیضِ ظاہری و باطنی سے شاہ صاحب قبلہ کو شریعت کا عالم اور طریقت کا عارف بنادیا۔ بہار کے تلامذہ میں حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا عبد الرشید عظیم آبادی کا نام خصوصیت سے آتا ہے، مگر اب اس میں ایک اہم نام علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کا بھی جوڑنا ہوگا جنہیں ان کی فراغت (۲۰ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۳ء بروز جمعہ) کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ نے سندِ دستارِ فضلیت وسندِ حدیث سے نوازا اور سند میں اپنے دستِ مبارک سے لکھا: ایھا الفاضل الکامل مرضی الخصائل محمود الشمائل الرفیع الشان مولانا سید عبد الرحمٰن قادری بن سید عبد القادر بیتھوی۔

فراغت کے بعد آپ نانا جان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں آپ کی والدہ ماجدۂ کا انتقال ہوگیا ایک سال بعد آپ کے نانا شیخ حضرت شاہ عبد الحق قادری علیہ الرحمہ کا بھی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوگیا۔ ایسے عالم میں آپ نے پھر بریلی شریف مراجعت فرمائی اور دو سال مسلسل درس وتدریس میں مشغول رہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خدمت اِفتاء پر آپ کو مامور کیا اور آپ نے ۱۳۲۸ھ / ۱۹۰۹ء تا وصالِ اعلیٰ حضرت (۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء) یعنی ۱۰، ۱۱ سال تک آپ نے فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا اگر ان فتاویٰ کو تلاش کرکے جدید انداز میں اس کی اشاعت کردی جائے۔ ۱۱/ سال تک کے فتاویٰ میں کیا کیا لعل وگہر ہوں گے اور وہ بھی امام احمد رضا کی تصدیقات سے مزین۔ ان میں بعض ایسے فتاویٰ بھی ہوں گے جن میں آج کے زوال آمادہ خانقاہی مزاج کو اسلاف کا آئینہ دکھایا گیا ہوگا یا آج دکھایا جاسکتا ہے کہ اب اکثر خانقاہیں اپنے اسلاف کی اعتقادی اور مسلکی روش سے ہٹ رہی ہیں۔ خدا ماضی کی طرف مراجعت کی توفیقِ خیر بخشے آمین۔

آپ کے سوانح نگار اور صاحبزادے مولانا سید شاہ حسنین رضا قادری نے آپ کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے کہ معرفت کی طرف زیادہ رغبت کے سبب انہوں نے تصنیفات کم چھوڑیں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے پاس قلمی نسخے کثرت سے موجود ہیں جو علم کلام، علم جفر، علم تکسیر، نیز اوراد و وظائف پر مشتمل ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ ارادتاً و تلمذاً رضوی تھے اور بیعتاً قادری۔ وہ اپنے نام کے آخر میں ''رضوی القادری'' لکھتے تھے۔ آپ کے سوانح نگار مولانا سید شاہ حسنین رضا نے لکھا ہے کہ آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے خلافت سے نوازا تھا۔ اس کی سند ان کے پاس بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ شجرۂ طیبہ جو مریدین کو عطا فرماتے تھے اس سے پتا چلتا تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی ان کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شہادت بھی بہت بڑی شہادت ہے۔ اگر خلافت نہیں تھی اور صرف تلمذ کا شرف تھا تو شجرے میں اعلیٰ حضرت کے اسم گرامی کی کیا ضرورت تھی۔ شجرے میں اعلیٰ حضرت کا نام اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل تھی۔ دوسری بات یہ کہ جب اعلیٰ حضرت نے ان کو ایھا الفاضل الکامل مرضی الخصائل محمود الشمائل الرفیع الشان لکھا ہے تو پھر خلافت ملنے پہ تحیر کے کیا معنیٰ۔ اس ثبوت کے علاوہ اگر کوئی اور ثبوت نہ بھی ہو جب بھی یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے اجل خلفا میں ہیں۔

افسوس یہ مردِ حق آگاہ اور فقیر کج کلاہ ۱۱/ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ کو علیل ہوکر ۱۳/ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ جمعہ کا مبارک دن گزار کر شب میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! آپ کے حجرۂ مبارکہ میں آپ کو غسل دیا گیا اور کیری شریف ہی میں دفن کیا گیا۔ یوں ایک آفتاب روپوش ہوگیا، لیکن اس نے پیچھے کئی ماہتاب چھوڑے ہیں جو اب بھی ضوفشاں ہیں اور جس میں ان کے نور کی جھلکیاں مسکرارہی ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کی لحد پر رحمتوں کے پھول برسائے اور ہمیں ان سے کسب فیض کے مواقع عطا فرمائے۔ آمین

○○○○○

مشرقی اور سمتِ قبلہ

مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی (تلمیذ و خلیفۂ امام احمد رضا محدث بریلوی)

عنایت اللہ مشرقی صاحب ماضی میں خاکساری تحریک کے حوالے سے مشہور شخصیت ہیں۔ انہوں نے علم ہیئت کی رُو سے ہندوستان کی مسجدوں کی سمتِ قبلہ کے غلط ہونے پر ایک مضمون لکھا تھا جس کا پیشِ نظر مضمون میں مولانا ظفر الدین رضوی علیہ الرحمۃ نے جائزہ پیش کیا ہے۔ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس کو رسالۂ معارف اعظم گڑھ نے اپنے شمارے جنوری و فروری ۱۹۴۰ میں اور مشاہیر دیو بند میں سے مفتی محمد شفیع نے اپنی کتاب ''جواہر الفقہ'' جلدِ اوّل میں اس کو شائع کیا۔ (عبید)

علمی حلقہ میں جناب عنایت اللہ صاحب مشرقی کا تعارف سب سے پہلے ان کی تصنیف ''تذکرہ'' کے ذریعہ سے ہوا تھا، اب اُن کی تحریک خاکساریت نے ان کی شہرت عام کر دی ہے۔ وہ یورپ کی در جنوں ڈگریوں کے مالک اور مختلف فنون میں علم و کمال کے مدعی ہیں، اسے دیکھ کر یہ خیال تھا کہ مذہب کے متعلق ان کی معلومات و خیالات کیسے ہی ناقص و غلط ہوں؛ لیکن جدید علوم سے ضرور ان کو واقفیت ہو گی، لیکن ان کے بعض علمی مضامین کو دیکھ کر یہ حُسنِ ظن بھی غلط ثابت ہوا۔

عرصہ ہوا انہوں نے علم ہیئت کی رُو سے ہندوستان کی مسجدوں کی سمتِ قبلہ کے غلط ہونے پر ایک مضمون لکھا تھا، اس کے علاوہ وہ ''مولویوں کی جہالت'' کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً جن عالمانہ خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علوم میں بھی ان کا پایہ مذہبی علوم سے کم نہیں ہے۔ اس مضمون میں ریاضی و ہیئت اور تاریخ علوم میں ان کے علمی کمالات پر تبصرہ مقصود ہے۔ مولویوں کی جہالت کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں: ''آپ کی بلا جانتی ہے کہ مکہ کا رخ دریافت کرنا کسے کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے، جغرافیہ کس بیل کا نام ہے، علمِ نجوم کسے کہتے ہیں، دُور بین کیا ہوتی ہے، خطِ سرطان کس مرض کو کہتے ہیں، آپ صرف اپنی رات کی باسی روٹیاں گن کر بیچنا نہیں جانتے اور اگر روٹیاں زیادہ ہوں اور آنے پورے نہ بیٹھیں تو حساب میں گھنٹوں غلطی نہیں کرتے، بلکہ آنوں کو ان روٹیوں پر بٹھا لیتے ہیں، آپ کو اس کا پتہ ہے کہ مغرب اور شمال کے دوطرفوں کے درمیان خود مسلمانوں ہی نے ۹۰ درجے قائم کیے تھے۔ ہر درجے کو ساٹھ دقیقہ (منٹ) اور دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں (سیکنڈ) میں تقسیم کیا تھا۔''

مشرقی صاحب کی ریاضی سے واقفیت کا نمونہ

مشرقی صاحب کو اس دعوائے ہمہ دانی کے باوجود یہ بھی نہیں معلوم کہ مسلمانوں سے بہت پہلے یونانیوں نے اس فن کو مرتب کیا تھا۔ بطلیموس کی کتاب ''مجسطی'' اس فن میں معروف و مشہور ہے، اس بارے میں آپ بھی اور ملاؤں کے نقشِ قدم پر نکلے، مغرب اور شمال کے دوطرفوں کے درمیان تخصیص بھی عجیب ہے، کیا مغرب اور جنوب کے دوطرفوں کے درمیان ۹۰ سے کم یا زیادہ درجے قائم کیے تھے۔ یا اس کے درجوں کو ساٹھ دقیقوں سے کم و بیش پر تقسیم کیا تھا اور پھر ان دقیقوں کی ساٹھ ثانیہ (سیکنڈوں) سے کم و بیش پر قسمت کی تھی۔ علیٰ ہٰذا القیاس نقطۂ شمال و مشرق کے دوطرفوں اور نقطۂ مشرق و جنوب کے دوطرفوں کو کتنے درجوں اور ان درجوں کو کتنے دقیقہ و ثانیہ پر تقسیم کیا۔ جب اس فن میں ہر دائرہ ۳۶۰ درجہ پر منقسم ہے تو ہر ربع ۹۰ درجہ کا ہوا، خواہ وہ نقطۂ مغرب و شمال کے درمیان ہو یا نقطۂ شمال و مشرق کے درمیان، نقطۂ مشرق و جنوب کے درمیان ہو یا نقطۂ جنوب و مغرب کے درمیان، کسی دو نقطوں کے درمیان جس کا فصل ربع دور ہو لامحالہ ۹۰ درجہ ہو گا اور ہر درجہ ۶۰ دقیقہ اور ہر دقیقہ ۶۰ ثانیہ اور ہر ثانیہ ۶۰ ثالثہ اور ہر ثالثہ ۶۰ رابعہ اور ہر رابعہ ۶۰ خامسہ اور ہر خامسہ ۶۰ سادسہ اور ہر سادسہ ۶۰ سابعہ اور ہر سابعہ ۶۰ ثامنہ اور ہر ثامنہ ۶۰ تاسعہ اور ہر تاسعہ ۶۰ عاشرہ پر منقسم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ تخصیص بالکل غلط اور بے معنیٰ ہے۔

ایک اور نادر تحقیق

مشرقی صاحب فرماتے ہیں: ''مغرب اور شمال کی دو سمتوں میں تین لاکھ چوبیس ہزار مختلف طرفین مسلمانوں نے خود اسی قرآن کی تعلیم کو صحیح سمجھ کر قائم کی تھیں۔''

کیا فن کا حساب ثانیہ ہی تک محدود ہے جو تین لاکھ چوبیس ہزار سمتیں ہوں گی۔ اس کا حساب تو در حقیقت عاشرہ سے بھی متجاوز ہے۔

اگر عاشرہ ہی تک مانا جائے جب بھی ہر ربع کی دو سمتوں میں پندرہ سنکھ ستائیس پدم چھبیس نیل چونسٹھ کھرب مختلف سمتیں متعین ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں ان کو صرف تین لاکھ چوبیس ہزار سمتیں بتانا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ میں مشرقی صاحب کی اس خوش اعتقادی کی ضرور تعریف کروں گا کہ قرآن شریف خواہ پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں اور سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں، مگر زبان پر دعویٰ قرآن شریف ہی کا ہے، ربع دائرہ کو ۹۰/ حصّہ اور ہر حصّے کو ۶۰/ دقیقے اور ہر دقیقے کو ۶۰/ ثانیے پر تقسیم کو قرآن شریف کی صحیح تعلیم کا نتیجہ بتانا بھی عجیب دعویٰ ہے۔ کاش مشرقی صاحب نے ان آیتوں کو بھی تحریر فرمادیا ہوتا جن سے مسلمانوں نے یہ حساب قائم کیے کہ اس سے اوروں کو بھی فائدہ پہنچتا، آپ کے نزدیک گویا قرآن شریف فقہ و مسائلِ دینی کی بجائے ہندسہ و ہیئت کی تعلیم کی کتاب ہے۔ اسی لیے فقہی مسائل جو قرآن شریف سے مستنبط ہوئے ہیں وہ ان کے نزدیک مولوی اور ملّا کا بتایا ہوا دین ہے اور ہیئت و ہندسہ کے مسائل قرآن کی تعلیم ہیں۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ایک دعوے میں چار غلطیاں

آپ نے اپنے ایک دعوے میں چار غلطیاں کیں۔ (۱) شمال مغرب کے دو طرفوں میں ۹۰ درجے مسلمانوں کا قائم کرنا۔ (۲) مغرب و شمال دو سمتوں کی تخصیص۔ (۳) ان دو سمتوں کے درمیان تین لاکھ چوبیس ہزار سمت بتانا۔ (۴) اس تقسیم کو قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ظاہر کرنا۔

ایک اور غلطی

پھر کہتے ہیں: ”اسی مغرب اور شمال کی سمتوں کے درمیان صرف ایک درجہ ۹۰/۱ حصہ پھر جانے سے دوہزار تین سو میل کی دوری پر پورے چالیس میل کا فرق پڑ جاتا ہے۔“

یہاں بھی مغرب و شمال کی تخصیص بے معنیٰ ہے۔ جن لوگوں کا سمتِ قبلہ منحرف بجنوب ہے، ان میں جو لوگ مکہ معظمہ سے دوہزار تین سو میل کی دوری پر ہیں۔ وہ اگر ایک درجہ صحیح سمت سے پھر جائیں تو کیا ان لوگوں کو چالیس میل کا فرق نہ پڑے گا۔ اسی طرح جو لوگ مکہ معظمہ سے پچھم ہیں اور ان کا سمتِ قبلہ نقطۂ مشرق سے منحرف بہ شمال یا جنوب ہے وہ اگر دو ہزار تین سو میل کی دوری پر ہوں اور سمتِ قبلہ سے ایک درجہ پھر جائیں تو ان لوگوں کو بھی صحیح سمت سے چالیس میل کا فرق ہو گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے اور اگر ہو گا تو یہ تخصیص غلط ہے اور بے معنیٰ ہوئی۔ پھر مکۂ معظمہ سے لاہور کا فصل دوہزار تین سو میل بتانا بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ فصل طول ت ص لو فہ ہے۔ اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے، جب بھی ایک درجے پر چالیس میل کا فرق بتانا غلط ہے، ورنہ ۶۰/ درجے کے زاویے پر جہاں مثلث متساوی الاضلاع ہوتا ہے اور شکل ترسی نمودار ہوتی ہے (جس جگہ کرہ عالم پر کھڑے ہونے والے دو متساوی القد انسانوں کے سروں کا فاصلہ قدموں کے فاصلے سے بقدر ایک قامت زائد ہوتا ہے، جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے) وتر اسی قدر ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس حساب سے وتر دوہزار چار سو میل ہوتا ہے۔
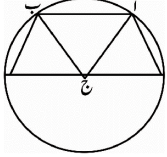
مکہ سے سورت کی سمت کی تعیین میں غلطی

فرماتے ہیں: ”مکۂ معظمہ سے سورت جہاں عرب پہلی صدی میں سب سے پہلے اترے تھے، ٹھیک مشرق کی طرف تھا۔“

یہ بھی محض رجماً بالغیب اور بالکل غلط، مکہ معظمہ کا م قہ ۲۱ درجہ ۴۰/ دقیقہ ہے اور سورت کا عرض کا قہ ۲۱/ درجہ ۱۲/ دقیقہ ہے الخ ۲۸ دقیقہ کا فرق ہے اور مکہ معظمہ کا طول لح یعنی ۴۰/ درجہ ۱۳ دقیقہ اور سورت کا عج ۵ ص یعنی ۷۳/ درجہ ۵/ دقیقہ ہے۔ مابین الطولین لب لب قہ اس حساب سے دونوں شہروں میں شرقی غربی فرق دوہزار ایک سو ستاسی میل ہوا۔ اتنی دوری پر ۲۸/ دقیقہ یعنی تقریباً نصف درجہ فرق ہونے سے مشرقی صاحب ہی کے حساب سے سمت قبلہ میں ۱۹/ میل کا فرق ہو جائے گا۔ پھر ٹھیک مشرق کہاں ہوا کہ سمت قبلہ ان کے خیال کے مطابق ٹھیک نقطۂ مغرب ہو۔

تاریخی غلطی

مشرقی صاحب فرماتے ہیں کہ: ”عرب جیسی جاہل اور اُجڈ قوم چند برسوں کے اندر اندر دوہزار میل دور مقام کی صحیح سمت دریافت کر سکی، حالانکہ اُس وقت جغرافیہ کا نام ونشان موجود نہ تھا اور نہ سطح زمین پر طول بلد و عرض بلد کے خطوط کوئی متنفس جانتا تھا۔“

بے خبری بھی کیا چیز ہے اس کے طفیل میں انسان جو جی میں آئے کہہ دے کوئی ذمّے داری نہیں، پڑھا لکھا آدمی ایسی بات لکھنی درکنار

اسے بولتے، بلکہ تصور کرتے شرمائے گا۔ علمِ جغرافیہ کب وجود میں آیا؟ موجد کون ہے؟ طول بلد، عرض بلد کے خطوط اسلام سے کتنے پہلے کھینچے گئے؟ ان کے لیے کشف الظنون اور دائرۃ المعارف دیکھیے۔

صاحبِ کشف الظنون علم جغرافیہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:"هو علم يعرف منه احوال الاقاليم السبعة الواقعة في الربع المسكون من كرة الارض وعروض البلدان الواقعة فيها واطوالها وعدد مدنها وجبالها وبرا ريهاد بحورها وانهار هاالى ذلك من احوال الربع، واول من صنف فيه بطليموس الفلوزى فانه صنف كتابه المعروف بجغرافيا ايضاً بعد ماصنف المجسطى۔" ترجمہ: "علمِ جغرافیہ وہ علم ہے جس کے ذریعے کرۂ ارض کے ربع مسکون کی ساتوں اقلیموں کے حالات اور ان کی آبادیوں کے عرض البلد اور طول البلد ان کے شہروں، ان کے پہاڑوں، ان کی خشکی، ان کے دریاؤں، ان کی نہروں وغیرہ ربع مسکون کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس فن میں سب سے پہلے بطلیموس فلوزی نے تصنیف کی، المجسطی کے بعد اس نے اس فن پر ایک کتاب لکھی،۔ جو جغرافیہ کے نام سے مشہور ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ فنِّ جغرافیہ پر جس میں طول وعرض بلد وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے، سب سے پہلے بطلیموس نے کتاب لکھی جس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے۔

دائرۃ المعارف میں ہے:"بطلیموس کلودیوس ریاضی فلکی جغرافی یونانی مصری یقال انہ ولد فی بیلو سوم ونشأ فی الاسکندریۃ فی قرن الثانی المیلاد۔" ترجمہ: بطلیموس کلودیوس، عالم ریاضی فلکی جغرافی یونانی مصری دوسری صدی عیسوی میں بیلوسوم میں پیدا ہوا۔ اور اسکندریہ میں نشوونما حاصل کی۔" اس سے معلوم ہوا کہ بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوا؛ جبکہ مشرقی صاحب کے خیال کے مطابق جغرافیہ کا نام ونشان نہ تھا اور سطح زمین پر طول بلد وعرض بلد کا کوئی جاننے والا نہ تھا۔

رہا عربوں کا صحیح سمت دریافت کرلینا، اگر درحقیقت سورت کی مسجدیں عربوں کی بنائی ہوئی ہیں یا اسی بنیاد پر ہیں اور بالکل صحیح سمت قبلہ کی طرف ہیں تو محض نورِ اسلام کی وجہ سے ہے ورنہ اگر ٹھیک نقطۂ مغرب کو ہیں تو ان کے قاعدہ سے ۱۹ میل خانۂ کعبہ سے منحرف ہیں۔

سمتِ قبلہ کی تعیین کا مشہور طریقہ

آگے چل کر مشرقی صاحب فرماتے ہیں:"میں نے ایک شخص کو لاہور کے ملاؤں اور معماروں کے پاس بھیجا کہ وہ مسجد بناتے وقت قبلہ کا رخ کیونکر مقرر کرتے ہیں۔ ایک بڑی عمر کے جاہل نے کہا۔ واہ جی یہ تو بہت آسان ہے؛ قطب تارے کی طرف ہاتھ پھیلا کر اور کندھے کی طرف دیکھ کر کھڑے ہوگئے تو ناک کی سیدھ میں قبلہ ہے۔ خیر میں سمجھ گیا کہ ملا کی نجوم دانی کس قدر بے خطا ہے اور اس کا مطلب یہی ہے جو آپ کہتے ہیں کہ شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب ہی کی طرف ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ مشرقی صاحب کی ساری پرواز اور ہندوستان کی مسجدوں کے سمت قبلہ سے انحراف کی ساری عمارت اونھوں نے کسی ملا کے بیان پر قائم کی ہے اور اسے غایت دیانت سے تمام مولویوں کی جہالت کے سر منڈھ دیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ اُس ملّا یا اُس جاہل معمار کی موٹی بات کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اگر وہ اس کے الفاظ پر غور فرماتے تو آسانی سے سمجھ میں آجاتا کہ ہندوستان کے شہروں کی سمت قبلہ تین طرح کی ہے: بعض کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب بلا انحراف نقطۂ شمال یا جنوب ہے اور بعض کا منحرف بشمال، اور بعض کا منحرف بجنوب، اور ان سب کی پہچان قطب تارہ ہے جہاں کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب ہے وہاں مرکز قطب کو مونڈھے کی ہڈی کے مرکز کے سیدھ میں رکھنا ہوتا ہے اور جس جگہ کا قبلہ منحرف بشمال ہے وہاں قطب تارے کو مونڈھے کے اگلے حصہ کی طرف کرنا ہوتا ہے اور جہاں کا قبلہ منحرف بجنوب ہو وہاں قطب تارے کو مونڈھے کی پشت پر رکھنا ہوتا ہے مگر جسے اس کا علم ہی نہ ہو اور اس تفصیل سے ناواقف ہو تو وہ لامحالہ اپنی جہالت کا الزام دوسرے کے سر تھوپے گا۔

امام رازی کا طریق تعیین سمت قبلہ

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:"المسئلة الرابعة في دلائل القبلة اعلم ان الدلائل اما ارضية اوهوائية اوسماوية اماالا رضية والهوائية فهي غير مضبوطة ضبطاكليا اما السماوية فادلتها منها تقريبية و منها تحقيقية اما التقريبية فقد قالو اهذه الادلة اما ان تكون نهارية اوليلية اما النهارية فالشمس واما اليلية فهوان يستدل على القبلة بالكوكب الذى يقال له الجدى فانه كوكب كالثابت لا تظهر حركته من موضعه واما الطريقة اليقينية وهى الوجوه المذكورة في كتب الهيئة۔" اھ۔ مختصراً۔ ترجمہ: "چوتھا مسئلہ دلائل قبلہ کے بیان میں ہے۔ دلائل

قبلہ تین قسم کے ہیں: ارضی، ہوائی، سماوی۔ ارضی اور ہوائی کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ سماوی دلیلیں دو قسم کی ہیں: تقریبی، تحقیقی۔ تقریبی بھی دو طرح کی ہیں نہاری اور لیلی۔ نہاری تو آفتاب ہے اور لیلی یہ ہے کہ سمتِ قبلہ پر اس کوکب سے استدلال کیا جائے، جسے جدی الفرقد کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ کوکب اگرچہ حرکت کرتا ہے مگر اتنی کم کہ بمنزلہ ثابت کے ہے۔ اس کی حرکت ظاہر نہیں ہوتی اور تحقیقی دلائل وہ وجوہ ہیں جو ہیئت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔" اھ۔ مختصراً۔

نجوم اور ہیئت کیا ایک ہیں؟

اس سے معلوم ہوا کہ کوکب جدی الفرقد یعنی قطب تارہ سے استدلال صرف لاہور کے بڑی عمر کے جاہل کی جدت نہیں بلکہ اکابر علماءِ کرام امام فخر الدین رازی جیسے مشہور و مستند عالم دینی کی تحقیق ہے۔ بالفرض اگر جاہل مُلا کا یہ جواب غلط بھی مان لیا جائے تو اس سے اس کی نجوم دانی سے ناواقفیت کا حکم کس طرح مشرقی صاحب نے لگا دیا؟ کیا ان کے نزدیک علم ہیئت اور نجوم دونوں ایک چیزیں ہیں کہ ایک کی ناواقفیت سے دوسرے کی ناواقفیت لازم آتی ہے، حالانکہ اتنا تو ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ علم ہیئت افلاک کی حرکات اور کواکب کے اوضاع واطوار سے بحث کرتا ہے اور علم نجوم میں ان اوضاع و حرکات کے آثار سے بحث ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی صاحب علمِ ہیئت و نجوم کے فرق سے بھی واقف نہیں۔

پھر اس غلط جواب سے یہ نتیجہ کہاں سے نکلا کہ "شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب ہی کی طرف ہے۔" ایک مُلا کے نہ جاننے سے تمام شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب کی سمت کس طرح ہو گیا۔ کیا شمالی ہندوستان کی تمام مسجدیں آپ کے بڑی عمر والے جاہل ہی کی رائے اور نقشہ سے بنی ہیں؟

بے بنیاد دعویٰ

اس کے بعد آپ کے قیمتی افادات یہ ہیں: "نقشہ کے موئے خط اب سے معلوم ہو گا کہ لاہور کی مسجدوں کا رخ صحیح رخ سے قریباً ۲۵ درجہ جنوب کی طرف ہٹا ہے، ایک درجہ کا فرق دو ہزار تین سو میل، پر میں نے ابھی چالیس میل بتایا ہے تو اس حساب سے ۲۵ درجوں کا فرق ۲۵x ۴۰ یعنی ایک ہزار میل ٹھہرا۔"

یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ اگر یہ بیان صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ لاہور کی تمام مسجدیں نقطۂ مغرب کو ہیں، حالانکہ نقطۂ مغرب سے منحرف بجنوب ہونا چاہیے، تو لاہور کی مسجدوں کا رخ صحیح رخ سے جتنے درجے بھی ہو شمال کو ہٹا ہو گا، نہ جنوب کو پھر اسے ۲۵ درجہ جنوب کو ہٹا ہوا بتانا بھی غلط ہے؛ لیکن اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بیت المقدس کی سمت میں نہ ہوں گی بلکہ اس شہر کی سمت میں ہوں گی جو لاہور سے جنوب کی طرف واقع ہو گا۔

ایک ہزار میل کا فرق بتانا بھی غلط اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ لاہور کی مسجدوں کا رخ اگر ٹھیک نقطۂ مغرب مان لیا جائے، تب بھی مشرقی صاحب کے اصول کے مطابق جو صرف عرض البلد کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی بنا پر وہ ہندوستان میں سورت، ناگپور، کٹک وغیرہ کا قبلہ جو ان کے خیال میں عرض البلد مکہ معظمہ پر واقع ہیں، نقطۂ مغرب صحیح خیال کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، سمتِ قبلہ جاننے کے لیے صرف عرض البلد کافی نہیں، اس کے ساتھ طول البلد کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ طول البلد سے عرض موقع معلوم ہوتا ہے، جس سے سمتِ اطراف پہچانی جاتی ہے۔ مشرقی صاحب چونکہ صرف عرض البلد کا لحاظ کرتے ہیں اس لیے گذارش ہے کہ لاہور کا عرض البلد لاؔل قہ ہے یعنی ۳۱ درجے ۳۰ دقیقہ اور مکۂ معظمہ کا کاؔ م قہ یعنی ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ مابین العرضین طؔ م قہ ۹ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے۔ اس حساب سے ۲۵ درجہ کا فرق بتانا بالکل بے اصل اور غلط ہے۔ کیا ۳۱ سے ۲۱ کی تفریق کرنے سے پچیس ۲۵ بچتے ہیں۔ جب یہ فرق ہی غلط ٹھہرا تو ۴۰ میں ضرب دے کر ہزار میل کا فرق بتانا بھی غلط ہوا۔ صحیح ۳۹۳ میل ہے۔

سب سے بڑی غلطی مشرقی صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے جواب دینے سے قبل لاہور کی مسجدوں کو خود نہیں جانچا۔ صرف مستفتی کے کہنے پر ایمان لے آئے۔ کاش اس شخص کو لاہور کے ملاؤں اور معماروں کے پاس بھیجنے کے بجائے آپ خود اس کی تحقیق کر لیتے تو اتنی ٹھوکریں نہ کھاتے، یا کسی ایسے شخص کو بھیجتے جو یہ معلوم کر سکتا کہ کون کون سی مسجدیں ٹھیک قبلہ کی سمت ہیں اور کون کون کس قدر اور کس جانب منحرف ہیں تو بھی غلطیوں میں مبتلا نہ ہوتے، لیکن یہ ہوتا کیونکر، مشرقی صاحب کو خود ہی نہیں معلوم کہ سمتِ قبلہ کے معلوم کرنے کا کیا قاعدہ ہے اور مسجدوں کی صحت اور غلطی معلوم کرنے کا کیا اصول ہے۔

غلط سمتیں

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں: "اس نقشے سے صاف ظاہر ہے کہ تمام ہندوستان میں ماسوا سورت، ناگپور، کٹک وغیرہ کے جو اسی عرض البلد پر واقع ہیں جس پر کہ مکۂ معظمہ ہے۔ ہندوستان کی تمام نئی مسجدوں کا قبلہ غلط ہے، ایک مسجد ایسی نہیں جس کے نمازیوں نے آج تک ایک نماز قبلہ رُو ہو کر پڑھی ہو۔ لاہور اور امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس ہے، راولپنڈی والوں کا بغداد اور دمشق، پشاور والوں کا بیروت، دہلی والوں کا بوشہر، ملتان کا کوفہ، کراچی والوں کا مدینہ، مدراس والوں کا عدن، بمبئی والوں کا بندر گاہ سواکن وغیرہ وغیرہ۔"

یہ آپ کی معلومات کا نچوڑ ہے، جس کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سرے سے سمت قبلہ کے معنٰی ہی سے ناواقف ہیں، اور نہ آپ کو اس کے جاننے کا اصول ہے۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ نمازی کا منہ نماز میں جس سمت کو ہو جائے وہی سمتِ قبلہ ہے اسی سے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ لاہور اور امرتسر والوں کا قبلہ بیت المقدس، راولپنڈی والوں کا بغداد اور دمشق ہے۔ اول دو شہروں کا جو طول و عرض میں مختلف ہیں، ایک قبلہ یعنی بیت المقدس بتانا بالکل غلط ہے۔ جب دو شہر طول و عرض دونوں میں مختلف ہوں گے تو ان کا قبلہ بھی مختلف ہو گا۔ ایک ہر گز نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی بڑھ کر پُر لطف بات راولپنڈی کا قبلہ بغداد اور دمشق بتانا ہے جو طول و عرض دونوں میں مختلف ہیں، کوئی ایسے دو شہر جو طول و عرض دونوں میں مختلف ہیں، ایک شہر کا قبلہ ہر گز نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ راولپنڈی کا قبلہ آپ نے صرف دو ہی شہروں بغداد اور دمشق ہی کو بتایا ورنہ آپ کے عامیانہ اصول پر تو مصلی کے سامنے جتنے شہر، درخت، مکان، پہاڑ، مندر، گرجا وغیرہ واقع ہوں وہ سب اس کے قبلہ ہیں، ورنہ تخصیص بلا مخصص لازم آئے گی۔

سطحی نقشے سے تعینِ سمت کی سطحی غلطی

سمتِ قبلہ میں مشرقی صاحب کی غایت معلومات یہ ہیں کہ: "نقشہ اصلاح یا اس سے بہتر صحیح نقشہ یعنی اسکولوں کا نکالو اور جس شہر کا سمتِ قبلہ معلوم کرنا چاہتے ہو، اس شہر اور مکۂ معظمہ کے درمیان خط کھینچ کر جو سمت معلوم ہو ٹیڑھا یا سیدھا جس طرح کا خط ہو، اسی طرح راست یا کج سمت قبلہ ہے۔"

مشرقی صاحب نے اسے اپنے رسالہ "مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹" کے نقشے میں خط اب ج دے کر سمجھایا ہے۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے رسالہ یا اخبار "اصلاح" کا نقشہ تو درکنار بڑے بڑے نقشوں میں سیکڑوں کیا ہزاروں، لاکھوں؛ بلکہ کروڑوں جگہیں دنیا بلکہ ہندوستان کی ایسی ہیں کہ جن کا نام ونشان تک نہیں۔ اس کے لیے ساری دنیا کا نقشہ نہ سہی، ہندوستان کے لیے کم از کم ایشیا کا نقشہ ضرور ہونا چاہیے، جس میں ایک طرف تو وہ شہر ہو جس کی سمت مطلوب ہے، دوسری طرف مکۂ معظمہ، اسے تو جغرافیہ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایشیا کے نقشے میں ہندوستان کے سب سے بڑے بڑے شہر بھی نہیں ہوتے۔

سمتوں کی تعیین میں سخت غلطیاں

اس کے بعد مشرقی صاحب نے اپنی خیالی بنیاد پر چند شہروں کی سمتِ قبلہ بتائی ہے۔ اسی کی واقعی صحت تو الگ رہی خود ان کے خود ساختہ اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ سورت، ناگپور اور کٹک کا قبلہ نقطۂ مغرب کو صحیح بتانا بھی غلط ہے۔

سورت کے متعلق اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مشرقی صاحب کے قاعدے سے ۱۹ میل سمتِ قبلہ سے فرق ہے، ناگپور کا عرض کا ج ہ قہ یعنی ۲۱ درجہ ۵ دقیقہ ہے اور مکۂ معظمہ کا عرض کا ج م ص یعنی ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ مابین العرضین لہ قہ یعنی ۳۵ دقیقہ طول ناگپور عط : یعنی ۷۹ درجہ ۵ دقیقہ مابین الطولین لح نب قہ یعنی ۳۸ درجہ ۵۲ دقیقہ، فصل طول ۲ گھنٹہ ۳۵ منٹ ۳۸ سکنڈ فرق دو ہزار پانچ سو چورانوے میل۔ جب آپ کے حساب سے دو ہزار تین سو میل پر ایک درجہ کے حساب سے پورے ۴۰ میل کا پڑتا ہے، تو دو ہزار پانچ سو چورانوے میل ۳۵ دقیقہ پر ۲۸ میل کا فرق ہو گا۔ پھر ٹھیک نقطۂ مغرب کہاں ہوا۔

علیٰ ہٰذا القیاس کٹک کا عرض د ج ل قہ ۲۰ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین ای ص ایک درجہ دس دقیقہ اور کٹک کا طول فوا ص ۸۶ درجہ ایک دقیقہ ہے مابین الطولین مہ ج مح ص ۴۵ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے۔ فصل طول ۳ گھنٹہ ۳ منٹ فرق مسافت تین ہزار بیالیس میل، تو کٹک کا فرق نقطۂ مغرب سے آپ ہی کے حساب سے ۷۰ میل ہوا۔ پھر کٹک کا سمتِ قبلہ نقطۂ مغرب بتانا کس طرح صحیح ہو گا۔

نیز انھوں نے ہندوستان کے جن جن شہروں کا قبلہ غیر ممالک

کے جن جن شہروں کو بتایا ہے وہ جس طرح واقعے کے خلاف ہے، خود ان کے اصول و قاعدہ کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان شہروں کے عرض میں بھی فرق ہے اور طول کا فرق اس پر مستزاد ہے۔

اگر بالفرض ان شہروں کے مسلمان ٹھیک نقطۂ مغرب کی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں، تب بھی سمتِ قبلہ کی طرف ٹھیک رخ نہ سہی مگر ان شہروں کی طرف بھی (جنھیں مشرقی صاحب نے ان شہروں کا قبلہ بتایا ہے) رخ نہ ہو گا۔ وہ لاہور اور امر تسر والوں کا قبلہ بیت المقدس بتاتے ہیں۔ اولاً لاہور اور امر تسر دونوں ایک عرض پر نہیں ہیں، لاہور کا عرض البلد ۳۱ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور امر تسر کا ۳۱ درجہ ۳۷ دقیقہ ہے۔ اس حساب سے اگر بیت المقدس لاہور والوں کا قبلہ ہو گا یعنی ان کے نقطۂ مغرب کے ٹھیک جہت میں ہو گا تو امر تسر والوں کا قبلہ نہ ہو گا؛ اور اگر امر تسر والوں کا قبلہ ہو گا تو لاہور والوں کا نہ ہو گا۔ حالانکہ واقعے کے لحاظ سے بیت المقدس نہ لاہور والوں کا قبلہ ہے اور نہ امر تسر والوں کا۔ اس لیے کہ بیت المقدس کا عرض لا ج م ق ۳۱ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے، جس سے لاہور سے پورے دس دقیقہ اور امر تسر سے تین دقیقہ کا فرق ہے اور بیت المقدس کا طول ج ید ق ۳۵ درجہ ۱۴ دقیقہ ہے اور لاہور کا طول عُدج ۷۴ درجہ ۲۳ دقیقہ، مابین الطولین لط ج ط ق ۳۹ درجہ ۹ دقیقہ، فصل طول دو گھنٹہ ۳۶ منٹ ۳۶ سکنڈ، فرق مسافت دو ہزار چھ سو میل، گویا خود ان کے قاعدہ سے ۱۰/ میل کا فرق ہوا۔ پھر لاہور والوں کا قبلہ بیت المقدس کس طرح ہو گا؟

علیٰ ہٰذا القیاس طول امر تسر عدُمح ص ۷۴ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے تو بیت المقدس اور امر تسر کا مابین الطولین لط ج لد ھ ۳۹ درجہ ۳۴ دقیقہ، اور فصل طول دو گھنٹہ ۳۸ منٹ ۱۶ سکنڈ ہوا اور فرق مسافت دو ہزار چھ سو بتیس میل ہوا۔ اس لیے مشرقی صاحب کے قاعدے سے نقطۂ مغرب سے ۳ میل کا فرق ہو گا۔ پھر امر تسر والوں کا قبلہ بیت المقدس کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

اسی طرح راولپنڈی والوں کا قبلہ بھی بغداد نہ ہو گا۔ کیونکہ راولپنڈی کا عرض لہ ج لز ق ۳۵ درجہ ۳۷ دقیقہ ہے اور بغداد لج ج ک ق، مابین العرضین ب یز ۲ درجہ ۱۷ دقیقہ اور راولپنڈی کا طول عج ج د ق ۷۳ درجہ ٦ دقیقہ ہے۔ اور بغداد کا مد کہ ق ۴۴ درجہ ۲۵ دقیقہ، مابین الطولین کح ما ق، ۲۸ درجہ ۴۱ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۴ منٹ ۴۴ سکنڈ، فرق مسافت ایک ہزار نو سو سترہ میل، یہ فرق اگرچہ طول میں اور شہروں کے اعتبار سے کچھ کم ہے پھر بھی تقریباً دو ہزار میل ہے۔ مگر عرض کا فرق ۲ درجہ ۱۷ دقیقہ ہے۔ جب ایک درجہ پر آپ کے حساب سے ۴۰ میل کا فرق پڑ جاتا ہے تو دو درجہ سے زائد پر ۹۱ میل فرق ہو گا۔ پھر راولپنڈی والوں کا قبلہ بغداد کو بتانا کس قدر غلط ہے اور دمشق اور راولپنڈی کا مابین العرضین ب ز ق، ۲ درجہ اور ۷ دقیقہ ہے اور مابین الطولین لو نب ق ۳٦ درجہ ۵۲ دقیقہ ہے۔ فصل طول ۲ گھنٹہ ۳۱ منٹ ۲۸ سکنڈ اور فرق مسافت ۲ ہزار پانچ سو چودہ میل ہے اس میں بھی ان کے حساب سے ۲۸ میل فرق ہوا، نہ ٹھیک نقطۂ مغرب ہو گا کہ راولپنڈی والوں کا قبلہ دمشق قرار دیا جائے۔

پشاور کا قبلہ بیروت بتانا بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ پشاور کا عرض البلد لذ درجہ یہ دقیقہ ۳۴ درجہ ۳۵ دقیقہ ہے اور بیروت کا لج ند ق ۳۳ درجہ ۵۴ دقیقہ، مابین العرضین کا قہ یعنی ۲۱ دقیقہ، طول پشاور عا ج ل ق، ۷۱ درجہ ۳۰ دقیقہ، طول بیروت لہ ج لا ق، ۳۵ درجہ ۳۱ دقیقہ، مابین الطولین لہ ج نط ق ۳۵ درجہ ۵۹ دقیقہ، فصل طول ۲ گھنٹہ ۲۳ منٹ ۵٦ سکنڈ، فرق مسافت دو ہزار چار سو میل تو ۲۱ درجہ پر ۱۴ میل کا فرق ہو گا۔ اسی طرح دہلی کا قبلہ بوشہر نہیں ہو سکتا، دہلی کا عرض البلد کج ج مب ق ۲۸ درجہ ۴۲ دقیقہ ہے بوشہر کا کط س ۲۹ درجہ ۵۰ دقیقہ، مابین العرضین اج ق ایک درجہ آٹھ دقیقہ۔ طول دہلی عز ج ک ق ۷۷ درجہ ۲۰ دقیقہ، طول بوشہر م ۵۰ درجہ، مابین الطولین کزُک ق ۲۷ درجہ ۲۰ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۹ منٹ ۲ سکنڈ، فرق مسافت ایک ہزار چھ سو بیاسی میل۔ پس ۴۵ میل فرق ہو گا۔

یہ بھی صحیح نہیں کہ ملتان کا قبلہ کوفہ ہے۔ ملتان کا عرض ل ج جُ ۰ ۳۰ درجہ ۳ دقیقہ کوفہ کا عرض لب ج مد ق ۳۲ درجہ ۴۴ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین ب ما ج، ۲ درجہ ۴۱ دقیقہ، طول ملتان عا ج ل ق ۷۱ درجہ ۳۰ دقیقہ، طول کوفہ کد ۲۴ درجہ مابین الطولین مز ج ل ق ۴۷ درجہ ۳۰ دقیقہ فصل طول ح ی ۳ گھنٹہ دس منٹ، فرق مسافت تین ہزار ایک سو چھیاسٹھ یعنی مشرقی صاحب کے قاعدے سے ایک سو باسٹھ میل فرق ہو گا۔ پھر ملتان کا قبلہ کوفہ بتانا کیسے صحیح ہوا۔ کراچی کا قبلہ مدینۂ طیبہ بھی عجیب ہے۔ کراچی کا عرض البلد کہ ۲۵ درجہ، مدینۂ

منورہ کا عرض کدک ۲۴ درجہ ۲۰ دقیقہ ہے۔ مابین العرضین م قہ ۴۰ دقیقہ طول کراچی سزح ۶۷ درجہ، طولِ مدینۂ طیبہ م نہ قہ ۴۰ درجہ ۵۵ دقیقہ، فصل طول ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ ۴۰ سکنڈ، فرق مسافت ۱۷۳۲ میل، تو ۴۰ دقیقہ پر ۲۲ میل کا فرق ہو گا۔

مدراس کا قبلہ عدن بھی نہیں ہو سکتا، عرض مدراس تیج ب قہ ۱۳ درجہ ۲ دقیقہ، عرض عدن یب ح مہ ۱۲ درجہ ۴۵ دقیقہ، مابین العرضین یز قہ ۱۷ دقیقہ، طول مدراس قہ کب فہ ۸۰ درجہ ۲۲ دقیقہ، طول عدن مہ ح ج قہ ۴۵ درجہ ۳ دقیقہ، مابین الطولین لہ یط ۳۵ درجہ ۱۹ دقیقہ، فصل طول ۲ گھنٹہ ۲۱ منٹ ۱۶ سکنڈ، فرق مسافت ۲۳۳۳ میل یعنی ان ہی کے حساب سے ۱۱ میل کا فرق ہو گا۔ مدراس کا قبلہ عدن بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

بمبئی کا قبلہ بندر گاہ سواکن بتانا اگر مجذوب کی بڑ نہیں تو اور کیا ہے؟ عرض بمبئی تیج نہ قہ ۱۸ درجہ ۵۵ دقیقہ ہے۔ عرض سواکن یطُ ل ص ۱۹ درجہ ۳۰ دقیقہ، مابین العرضین لہ ح لہ ص ۳۵ دقیقہ، فصل طول دو گھنٹہ ۲۲ منٹ ۲۰ سکنڈ۔ فرق مسافت ۲۳۷۵ میل تو آپ ہی کے حساب سے ۲۸ میل کا فرق ہوا۔ ایسی صورت میں بمبئی کا قبلہ سواکن بتانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

غرض جہاں جہاں کا قبلہ مشرقی صاحب نے جن جن شہروں کو بتایا ہے، کُل کا کُل غلط ہے، نہ واقعے کے اعتبار سے یہ شہر قبلہ ہیں اور نہ مشرق صاحب کے قاعدے کے مطابق، سب سے کم فرق امر تسر اور بیت المقدس کے نقطۂ مغرب میں ہے۔ وہ بھی ۳ میل ہے اور سب سے زیادہ ملتان اور کوفہ میں ہے جس میں ایک سو چھیاسٹھ میل کا فرق ہے۔

سمتِ قبلہ کی تعریف اور اس کے معلوم کرنے کے طریقے سے ناواقفیت

حقیقت یہ ہے کہ مشرقی صاحب کو نہ سمتِ قبلہ کی تعریف معلوم ہے نہ وہ اس کے معلوم کرنے کا قاعدہ جانتے ہیں نہ سمت قبلہ کے فقہی مسائل سے واقف ہیں۔ سمت قبلہ کی تعریف علمائے ہیئت کے نزدیک یہ ہے: ھی نقطۃ فی الافق من واجھھا واجہ الکعبۃ۔ سمت قبلہ افق میں اس نقطہ کا نام ہے کہ جو اس کے مواجہ میں ہو گا وہ کعبہ کے مواجہ میں ہو گا۔

اسی نقطہ پر دائرۃ الافق اس دائرۃ العظیم سے تقاطع کرتا ہے جو راس البلد، اور راس مکہ معظمہ پر ہوتا ہوا گزرے اور قوس سمتِ قبلہ کی تعریف ہے: واما سمت قوس سمت القبلۃ فھی قوس من الافق تقع بین ھذہ النقطۃ واحدی نقطی الشمال و الجنوب بشرط ان لا یکون اکثر من الربع او احدی نقطی المشرق والمغرب کذلک وقد قوس انحرافھا ایضا وھی قدر مایجب ان یتحرف المصلی من مواجھۃ احدی النقاط الاربع لیواجہ البیت۔ اور قوسِ سمتِ قبلہ افق کی وہ قوس ہے جو اس نقطہ اور نقطۂ شمال یا جنوب کے درمیان یا اس نقطہ اور نقطۂ مغرب و مشرق کے درمیان واقع ہو، بشرطیکہ ربع دَور سے زیادہ نہ ہو۔ اس کو قوسِ انحراف بھی کہتے ہیں۔ یعنی مصلی کو نقاط اربعہ مغرب، مشرق اور شمال و مغرب سے کسی قدر انحراف کرنا چاہیے کہ وہ بیت اللہ کے مواجہہ میں ہو۔

ہندوستان کے مختلف مقامات کے سمت قبلہ کا اختلاف

ہندوستان مکۂ معظمہ سے مشرق میں ہے۔ اس لیے ہندوستان کے قبلہ کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ٹھیک نقطۂ مغرب میں ہو یا اس قدر کم فرق ہو کہ قابل التفات نہ ہو، جیسے اٹاوہ، اُناؤ، بہرائچ، جالون سیتاپور، فرخ آباد، کانپور، کھیری، لکھنؤ، ہردوئی وغیرہ کہ ان کا انحراف ایک درجہ سے بھی کم ہے۔ خصوصاً اُناؤ، اس کا انحراف فقط ۳ دقیقہ ہے، دوسرے انحراف شمالی ہو، جیسے بنگال، بہار، اڑیسہ کے تمام شہر اور صوبجات متحدہ کے بعض اضلاع، تیسرے انحراف جنوبی ہو جیسے پنجاب کے تمام شہر اور یو، پی کے بعض اضلاع۔

لیکن کن کن شہروں میں کس قدر انحراف شمالی یا جنوبی ہو گا۔ اس کا جاننا مسلمانوں کے لیے ازحد ضروری ہے۔ افسوس کہ نہ صرف عام مسلمان بلکہ علما تک اس سے غافل ہیں، اسی ضرورت کو محسوس کر کے راقم الحروف نے اپنے رسالہ موذن الاوقات میں ہر عرض کے ایک مشہور مقام کے ہر مہینہ اور ہر دن کے جملہ اوقات روزہ و نماز ہیئت و توقیت کے قاعدہ جدید و قدیم سے استخراج کر کے دے دیے ہیں نیز اس عرض کے تمام اضلاع و قصبات اور مشہور دیہاتوں کا تفاوت جن کا طول و عرض مجھے اٹلس یا انڈکس آف میپ سے معلوم ہو سکا دے دیا ہے۔ اس لیے اس کتاب کا افادہ بہت بڑھ گیا ہے، شائقین اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

شہروں اور آبادیوں میں تو مسجدیں ایک حد تک اس سے مستغنی

کر دیتی ہیں، مگر جہاں مسجدیں نہیں ہیں یا نئی مسجد بنانی ہے یا کسی کی سمت قبلہ غلط ہے وہاں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔اس لیے صوبہ جات بنگال، بہار، اڑیسہ، ممالک متحدہ آگرہ اودھ اور پنجاب کے اضلاع کا سمت قبلہ وقدر انحراف بقید درجہ و دقیقہ مع جہت انحراف لکھ دیا ہے۔اس کے بعد دائرۂ ہندیہ یا قطب نما سے سمت قبلہ نکال لینا بہت آسان ہے۔ جس شہر میں نقطۂ مغرب سے جس قدر شمال یا جنوب کو انحراف لکھا گیا ہے، اسی قدر شمال یا جنوب کو دیتے ہوئے نماز میں کھڑا ہونا چاہیے۔واللہ الموفق۔

نام شہر	قوس انحراف		جہت
	دقیقہ	درجہ	
صُوبۂ بنگال			
باقرگنج	۳۹	۸	شمالی
بانکورا	۷	۷	شمالی
بردوان	۹	۷	"
بوگرا	۲۶	۶	"
پبنہ	۵۶	۶	"
جلپائی گوڑی	۱۵	۴	"
جیسور	۴۵	۷	"
چاٹگام	۱۲	۹	"
دارجلنگ	۳۳	۳	"
دیناج پور	۷	۵	"
ڈھاکہ	۳۵	۷	"
رنگپور	۱۱	۵	"
کلکتہ	۷	۸	"
کوچ بہار	۴۲	۴	"
کھلنا	۱۲	۸	"
مرشد آباد	۶	۲۷	"
مدناپور	۸	۲	"
میمن سنگھ	۶	۳۴	"
نادیا	۶	۱۷	"
نواکھالی	۸	۳۶	"
ہوڑہ	۸	۵	"
ہوگلی	۷	۴۷	"
صوبۂ بہار واڑیسہ			
آرہ	۳	۴۶	شمالی
اودے پور	۶	۵۷	"
بالاسور	۸	۵۴	"
بھاگلپور	۳	۴۶	"
پٹنہ	۳	۵۶	"
پلامون	۴	۲۳	"
پوری	۱۰	۲۹	شمالی
پورینہ	۴	۳۴	"
چھپرا	۳	۳۷	"
دربھنگہ	۳	۳۳	"
رانچی	۶	۳۰	"
گیا	۶	۴۶	=
مالدہ	۵	۳۴	"
مان بھوم	۷	۱۰	"
مظفرپور	۳	۲۵	"
موتی ہاری	۲	۳۹	"
ہزاری باغ	۵	۴۸	"
ممالک مغربی وشمالی			
آگرہ	۱	۳	جنوبی
الٰہ آباد	۲	۵۲	شمالی
الموڑہ	۳	۲۳	جنوبی
اعظم گڑھ	۲	۵۲	شمالی
اٹاوہ	۰	۳	جنوبی
ایٹہ	۱	۱۸	"

نام شہر	قوس انحراف		جہت
	دقیقہ	درجہ	
اناؤ	۲	۵۴	شمالی
باندا	۲	۲۶	"
بارہ بنکی	۰	۴۳	"
بجنور	۴	۸	جنوبی
بدایوں	۲	۱۰	"
بریلی شریف	۲	۱	"
بستی	۱	۳۳	شمالی
بلند شہر	۲	۵۶	جنوبی
بلیا	۳	۲۴	شمالی
بنارس	۳	۳۷	"
بہرائچ	۰	۱۷	شمالی
پرتاب گڑھ	۴	۲۸	"
پیلی بھیت	۲	۱۲	جنوبی
ٹہری گڑھوال	۵	۲۰	"
جالوں	۰	۵۹	شمالی
جونپور	۲	۵۰	"
جھانسی	۱	۳۶	"
دہرادون	۴	۱۹	جنوبی
رائے بریلی	۱	۳۸	شمالی
ریاست رامپور	۲	۵۲	جنوبی
سلطان پور	۱	۵۷	شمالی
سہارنپور	۵	۲۱	جنوبی
سیتاپور	۰	۲۲	"
شاہجہانپور	۱	۱۱	"
علی گڑھ	۲	۷	"
غازی پور	۳	۲۱	شمالی
فتح پور	۱	۵۲	شمالی
فرخ آباد	۱	۱۹	جنوبی

نام شہر	قوس انحراف		جہت
	دقیقہ	درجہ	
فیض آباد	۱	۱۹	شمالی
کانپور	۰	۵۹	"
کھیری	۰	۴۷	جنوبی
گورکھپور	۱	۵۷	شمالی
گونڈہ	۱	۲۰	"
لکھنؤ	۰	۴۱	"
مرادآباد	۳	۲	جنوبی
میرٹھ	۳	۵۰	"
مین پوری	۰	۴۲	"
متھرا	۱	۴۰	"
مرزاپور	۴	۴۸	شمالی
نینی تال	۳	۲۶	جنوبی
ہردوئی	۰	۲۳	"
ہمیرپور	۱	۳۲	شمالی
صوبہ پنجاب			
امرتسر	۹	۴۰	جنوبی
بنوں	۵	۲۷	"
پشاور	۱۶	۱۶	"
جہلم	۱۲	۳۶	"
جالندھر	۸	۴۵	"
جھنگ	۶	۱۱	"
حصار	۵	۱۷	"
ڈیرہ اسمٰعیل خاں	۱۳	۱۰	"
ڈیرہ غازی خاں	۱۰	۱۰	"
راولپنڈی	۱۴	۱۳	"
رہتک	۴	۴۲	"
سیالکوٹ	۱۱	۱۵	"
شاہ پور	۱۲	۳۹	"

نام شہر	قوس انحراف		جہت
	دقیقہ	درجہ	
شملہ	۷	۱۴	"
فیروزپور	۸	۴۹	"
کرنال	۵	۱۷	"
کوہاٹ	۱۵	۴۲	"
گجرات	۱۱	۴۳	"
گجرانوالہ	۱۱	۰	"
گڑگاؤں	۲	۵۶	"
لاہور	۱۰	۰	"
لودھیانہ	۷	۵۳	"
مظفرنگر	۹	۵۲	"
ملتان	۹	۵۳	جنوبی
منٹگمری	۹	۲۳	"
ہوشیارپور	۸	۴۸	"

پنجاب اور یو۔پی کے جن شہروں کا سمت قبلہ جنوبی ہے۔ اسے تو مشرقی صاحب شاید تسلیم کرلیں، مگر یو۔پی کے جن شہروں کا قبلہ شمالی ہے یا بنگالی، بہار، اڑیسہ کے تمام شہروں کا جن کا قبلہ شمالی ہے اس کو تسلیم کرنے میں شاید ان کو تامل ہو، اور وہ یہ خیال کریں کہ یہ سب شہر مکۂ معظمہ سے زائد العرض ہیں، اس لیے کہ ان کے دیے ہوئے نقشے کے مطابق خط ملانے سے کعبۂ معظمہ جنوب کی طرف آتا ہے نہ شمال کو اس لیے فقیر اس مسئلے کو مدلل کرنے کے لیے سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا قاعدہ لکھے دیتا ہے۔

سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ

فصل طول مکۂ معظمہ اور بلد مفروض جس کی سمتِ قبلہ معلوم کرنا ہو، اگر وہ ۹۰ درجے سے کم ہے تو عرض جنوبی میں وہ عمود جو سمت الراس مکۂ معظمہ پر گزرتا ہو، نصف النہار بلدی پر قائم کریں۔ (یعنی نقطۂ اعتدال سے ایک دائرہ عظیمہ مکۂ مکرمہ کی سمت گزاریں کہ نصف النہار پر آپ ہی عمود ہوگا (کیونکہ اس کے دونوں قطبِ اعتدالین پر گزرا ہے)۔ یہ سمت الراس سے ہمیشہ شمال کو گزرے گا کہ اس عرض میں معتدل سمت الراس شمالی ہے اور سمت الراس مکۂ معظمہ معدل سے

تو عمود جو نقطۂ اعتدال سے نکل کر سمت الراس مکۂ معظمہ پر گزرتا ہوا نصف النہار سے ملا ہو قطعاً سمت الراس بلد سے شمالی ہوگا۔ مگر عرض شمالی میں تینوں حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر عرض [1] عمود عرض البلد کے برابر ہے تو موقع عمود میں سمت الراس بلد ہے یعنی بلد کا دائرہ اول السموت ہی سمت الراس مکہ پر گزرا ہوا ہے۔ اور اگر اس کا عرض [2] عرض البلد سے زائد ہے تو موقع عمود سمت الراس سے شمالی ہوگا اور اگر عرض البلد [3] سے کم ہے تو جنوبی ہوگا جیسا کہ اس شکل سے ظاہر ہے کہ اول السموت کا معدل
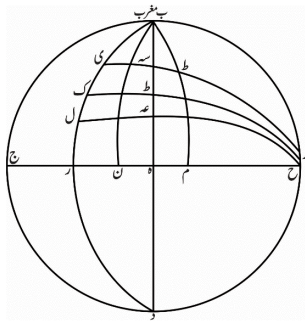
سے فصل اعظم دائرہ نصف النہار پر رہے کہ عرض البلد سے پھر کم ہوتا گیا ہے یہاں تک کہ نقطۂ ب پر معدوم ہوگیا، ح ر ح ل ح ک ح ی دوائر میلیہ ہیں جو قطب سے نکل کر معدل سے ملے ہیں اور اول السموت کے نقاط ہ عہ ط سہ کا معدل سے عرض بتاتے ہیں، جن میں سب سے بڑا ہ رہے پھر عہ ل پھر ط ک پھر سہ ی، غرض نصف النہار سے جتنا فصل بڑھتا گیا ہے عرض اول السموت گھٹتا گیا ہے۔ فرض کیجیے کہ تین شہر مساوی العرض ہیں، جن کا عرض عرض حرم سے زیادہ ہے اور فصل طول ۹۰ سے کم تو بوجہ تساوی عرض مواقع مذکورہ پر ان کے اول السموت کے عرض یکساں ہوں گے۔ فرض کیجیے عرض عہ ل عرض حرم سے زائد ہے ط ک مساوی اور سہ ی چھوٹا تو ان تین شہروں میں مکۂ معظمہ سے جس کا فصل طول ل رہے وہاں سمت الراس مکۂ معظمہ ط نصف النہار ح پر ہے اور چونکہ عہ ل عرض حرم سے زائد ہے، ط اول السموت اور معدل کے بیچ میں پڑے گا۔ تو عمود ب ن نقطۂ اعتدال سے نکل کر سمت الراس حرم پر ہوتا ہوا نصف النہار سے ملا ہوا سمت الراس بلد سے جنوب کو پڑے گا اور جس کا فصل طول ک ر ہے وہاں ط نصف النہار ح ک پر ہے اور چونکہ ط ک مساوی عرض حرم ہے اس لیے ط خاص اول السموت پر واقع ہوگا اور ب ح جو اول السموت ہے عمود ہوگا کہ ب سے نکل کر ط پر گزرتا اور نصف النہار سے ملا ہوا ہے اور جس کا فصل طول ی رہے، وہاں ط نصف النہار ح ی

پر ہے چونکہ سہ ی عرض حرم سے چھوٹا ہے اس لیے ط اول السموت سے باہر شمال میں رہے گا اور عمود ب م سمت الراس بلد سے شمال کو پڑے گا۔ علامہ موسیٰ رومی شارح چغمنی فرماتے ہیں: "اعلم ان راس مکة فی ھذا القسم (الذی طول وعرضه اکثر من طول مکة و عرضھا) یمکن ان یقع دائرة اول السموت البلد فیکون سمت القبلة نقطة المغرب والخط الذی علی صوبھا خط المشرق والمغرب وان یقع شمالیا منھا فیکون السمت فی الربع الغربی الشمالی من الافق وان یقع جنوبیا عنھا فیکون السمت فی الربع الغربی الجنوبی کما یقتضیه العمل بما فی الکتاب الاانه لایجب ان یکون الخط المذکور علی صوبه۔"

علامہ برجندی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:
"توضیح المقام ان دائرة اول السموت تقطع معدل النھار علی نقطتی المشرق والمغرب وغایة البعد بینھما انماھی بقدر عرض البلد وکل من القسی الواقعة بینھما من دوائر المیل بل من انصاف نھار سائر الاٗفاق اصغر من عرض البلد وکل قوس ابعد من غایة البعد اصغر من الاقرب ویجوز ان یکون عرض مکة فی ھذا القسم بقدر قوس من ھذه القسی فیکون سمت راس مکة علی اول السموت و سمت البلد وسمت القبلة نقطة المغرب ویجوز ان یکون عرض مکة اعظم من تلك القوس فیکون سمت راس مکة فی شمال اول السموت وسمت القبلة فی الربع الغربی الشمالی من الافق ویجوز ان یکون عرض مکة اصغر من تلك القوس فیکون سمت راس مکة فی جنوب اول السموت وحینئذ یکون سمت القبلة فی الربع الغربی الجنوبی من الافق کما ھو مقتضی العمل الذی ذکره المصنف۔"

اسی سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جس طرح یہ خیال غلط ہے کہ زائد العرض شہروں کا سمت قبلہ مطلقاً جنوبی ہوتا ہے، اسی طرح مشرقی صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو شہر مکۂ معظمہ سے ٹھیک پورب واقع ہیں، ان کا قبلہ نقطۂ مغرب ہو گا۔ جس بناء پر انھوں نے سورت کو جہاں عرب پہلی صدی میں سب سے پہلے اترے تھے، مکۂ معظمہ سے مشرق کی سمت بتایا اور سورت، ناگپور، کٹک وغیرہ کو جو اسی عرض بلد پر واقع ہیں، جس پر ان کے خیال میں مکۂ معظمہ واقع ہے، ان کا قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب کو صحیح بتایا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل قبلہ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں دلائل قبلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "واما الطریقة الیقینیة المذکورة فی کتب الھیئة قالوا سمت القبلة نقطة التقاطع بین دائرة الافق وبین دائرة العظیمة، تمر بسمت رؤ سنا ورؤس اھل مکة وانحراف القبلة قوس من دائرة الافق ما بین سمت القبلة و دائرة نصف النھار فی بلدنا وما بین سمت القبلة، مغرب الاعتدال تمام الانحراف قالوا ویحتاج فی معرفة سمت القبلة الی معرفة طول مکة و عرضھا فان کان طول البلد مساویا لطول مکة وعرضھا مخالف لعرض مکة کان سمت قبلتھا علی خط نصف النھار فان کان البلد شمالیا فالی الجنوب وان کان جنوبیا فالی الشمال واما اذا کان عرض البلد مساویا لعرض مکة و طوله مخالفا لطولھا فقد یظن ان سمت قبلة ذلك البلد علی خط الاعتدال وھو ظن خطاء۔"

دیکھیے کس قدر روشن تصریح ہے کہ جب عرض بلد عرض مکہ کے مساوی اور طول بلد طول مکہ کے مخالف ہو تو خیال کیا جاتا ہے کہ اس شہر کا خط اعتدال یعنی ٹھیک مغرب کو ہے جیسا مشرقی صاحب نے خیال کیا۔ مگر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے۔

استخراجِ سمتِ قبلہ کا قاعدہ

اس تمہید کے بعد استخراجِ سمتِ قبلہ کا قاعدہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ظم عرض حرم + جم فصل طول = ظم عرض موقع جم عرض موقع + ظل فصل طول = محفوظ۔ جیب تفاضل = ظل انحراف۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جس مقام کا سمت قبلہ معلوم کرنا ہو، پہلے اس کے طول کا مکۂ معظمہ کے طول سے تفاضل لے لیا جائے، اس کے بعد ظل[1] التمام عرض مکہ کو جیب التمام فصل طول کے ساتھ جمع کیا جائے، حاصل جمع کی قوس معلوم کر کے اس کا کُل لے لیا جائے کہ عرض موقع ہے۔ پھر اس کو عرض بلد سے تقسیم کیا جائے، اگر عرض بلد عرض موقع سے کم ہے تو انحراف شمالی ہو گا اور زائد ہے تو انحراف جنوبی ہو گا اور برابر میں کوئی انحراف نہ ہو گا بلکہ سمت قبلہ ٹھیک نقطۂ مغرب کو ہو گا، اس کے بعد جیب التمام عرض البلد سے کم کر کے اس ظل کی قوس لے کر ۹۰ تک اس کا تمام لیا جائے، یہ قدر انحراف ہو گا۔

سمت قبلہ معلوم کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔

اس قاعدہ کے بعد اب میں پھر مشرقی صاحب کے افادات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فرماتے ہیں: "یہ کہنا کچھ بے جا نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی پچھلی کئی قرنوں کی نمازیں اور نقطوں کے علاوہ یقیناً اسی لیے قبول نہیں ہوئیں کہ وہ دین اسلام کے مقرر شدہ قبلہ کی طرف نہ تھیں خدا اس کم نگاہ اور اندھی امت سے بجا ناراض ہے۔"

اور کمالات کے ساتھ اس دعوے سے مشرقی صاحب عالم غیب بھی ہوگئے کہ انھوں نے مسلمانوں کی قرنوں کی نمازوں کو اکارت کر دیا۔ دیکھیے ان کی پرواز کہاں تک لے جاتی ہے، لیکن یہ دعویٰ بھی ان کے قصور علم کا نتیجہ ہے۔

فہمِ قرآن کا نمونہ

ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ استقبالِ قبلہ عام ہے، خواہ عین کعبہ کی طرف رخ ہو، جیسے مکۂ مکرمہ والوں کے لیے یا محض اس جہت کی سمت ہو، جیسے اوروں کے لیے۔ کلام اللہ کے یہ الفاظ ہیں: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ اور فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ۔ اگر عین کعبہ سے استقبال کا حکم ہوتا لفظ شطر کے بجائے فولوا وجوھکم الیٰ بیت اللہ فرمایا جاتا، تفسیر کبیر میں ہے: فی الاٰیۃ قولان الاول وھوقول جمہور المفسرین الصحابۃ والتابعین والمتاخرین واختیار الشافعی رضی اللہ عنہ فی کتاب الرسالۃ ان المراد جھت المسجد الحرام وتلقائہ وجانبہ وقراۃ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تلقاء المسجدالحرام۔ یعنی شطر کی تفسیر میں دو قول ہیں، پہلا جمہور مفسرین، صحابہ و تابعین وعلمائے متاخرین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کتاب الرسالۃ میں پسندیدہ قول یہ ہے کہ مراد جہت مسجد حرام ہے، اور اس کے مقابل ومحاذی ہے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت ہی تلقاء المسجد الحرام ہے۔

امام رازی نے اس کے بعد دوسرا قول معتزلہ کا بیان کیا ہے کہ شطر سے مراد نصف ہے۔ اس کے بعد دو دلیلوں سے اسے رد کیا ہے۔ فرماتے ہیں اگر شطر سے مراد طرف ہو تو لفظ شطر بڑھانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لیے اگر فول وجھك المسجد الحرام کہا جائے، جب بھی یہی مطلب ہوگا، البتہ اگر شطر کے معنیٰ جہت لیے جائیں، تو بے شک اس لفظ کے بڑھانے کا فائدہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: البیت قبلۃ لا ھل المسجد والمسجد قبلۃ لاھل المکۃ والحرم قبلۃ لاھل المشرق والمغرب۔

ایک خوش اعتقادی

آگے مشرقی صاحب کی خوش اعتقادی مغربی قوم کے متعلق ملاحظہ ہو: "اگر یہی فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام کا حکم کسی مغربی قوم پر نازل ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ یورپ کے ہر حصے میں کروڑوں نہایت باریک بین رصدی آلات اس مطلب کے لیے شہر بہ شہر نصب ہو جاتے کہ خدائے عزوجل کے آسمانی حکم کی رو سے شطر المسجد الحرام صحیح طور پر دریافت کریں، وہ قوم ایسے دقیقہ رس اور نازک آلات ایجاد کرتی کہ شمال و مغرب کے درمیان تین لاکھ چوبیس ہزار سمتوں سے ایک گز کا بھی فرق نہ آنے پاتا، ان کے قبلہ کی سمت عین کعبہ کے سیاہ غلاف کے نصف پر آکر پڑتی ہے۔ جو چھ فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا ہے۔"

مشرقی صاحب نے خوش اعتقادی کی بھی حد کر دی۔ ان کو ہمیشہ ایسی ہی باتوں کا یقین ہوا کرتا ہے جو بالکل واقعے کے خلاف ہوں، جنھیں اصلیت سے دور کا بھی علاقہ نہ ہو۔ مغربی قوموں کو فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا حکم تو نہیں، لیکن فول واوجھك شطر البیت المقدس کا حکم تو ہے کہ وہ ان کا بھی قبلہ ہے۔ میں مشرقی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مغربی قوموں نے یورپ میں کتنے کروڑ باریک بین رصدی آلات بیت المقدس کی سمت معلوم کرنے کے لیے شہر بہ شہر نصب کر دیے، کیا مسلمانوں کے لیے خانۂ کعبہ کی جو اہمیت ہے مغربی قوموں کے لیے بیت المقدس کی اس سے کم ہے؟

سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے طریقوں اور آلات سے ناواقفیت

مشرقی صاحب باوجود دعویٰ ہمہ دانی اپنے گھر کی دولت سے محروم ہیں، انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ مسلمانوں کے پاس سمت قبلہ معلوم کرنے کے کیسے باریک آلات ہیں۔ آپ کے تخیل میں تو صرف مغربی قوم ایسے آلات ایجاد کرتی کہ شمال و مغرب کے درمیاں تین لاکھ چوبیس ہزار سمتوں سے ایک گز کا بھی فرق نہ آنے پاتا اور مسلمانوں کے پاس اس گئی گزری حالت پر بھی ایسے ایسے آلات و معلومات ہیں کہ نقطۂ شمال و مغرب کے درمیان پندرہ سنکھ ستائیس پدم چھبیس نیل چونسٹھ کھرب مختلف طریقوں کے درمیان ایک گز تو درکنار ایک انچ

کا بھی فرق نہیں پڑ سکتا، اگر جناب کو اس کی خبر نہ ہو تو اس کا کیا علاج، میں بتاتا ہوں کہ اس آلہ کا نام اسطرلاب ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اِدراکِ سمت قبلہ کے طریقۂ یقینیہ کے بیان میں فرماتے ہیں:"ولذلك طرق اسهلها ان يعرف الجزء الذی يسامت رؤس اهل المكة من فلك البروج وهور مح من الجوزاء ومح ح من السرطان فيضع ذلك الجزء على خط وسط السماء فی الا سطرلاب المعمول لعرض البلاد ويعلم على المرئ علامة ثم يدير العنكبوت الى ناحية المغرب ان كان البلد شرقيا عن مكة كمافی بلاد خراسان والعراق بقدر مابين الطولين من اجزاء الجحزة (الى قوله) ويخط على ظل المقياس خطا من مركز العمود الى اطراف الظل فذلك الخط خط الظل فيبنى عليه المحراب۔"

یہ آلہ آپ کی مغربی قوم کے آلات کی طرح بہت بیش قیمت بھی نہیں جس کا حصول ہر شخص کے لیے ممکن نہ ہو، رامپور لائبریری اور کتب خانہ خدابخش مرحوم کے علاوہ دوسرے کتب خانوں میں بھی بہتیرے اسطرلاب ہیں، اسطرلاب کے علاوہ میں مشرقی صاحب کو ایک اور آلہ بتاتا ہوں، جس سے نہایت آسانی کے ساتھ سمت قبلہ معلوم کی جاسکتی ہے اور مغرب و شمال کے پندرہ سنکھ حصوں میں اس کے ذریعہ بھی ایک انچ کا فرق نہیں پڑ سکتا، یہ آلہ خاص ہندوستان کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے اس کا نام دائرۂ ہندیہ رکھا گیا۔

علامہ ریاضی بہاء الدین محمد عاملی اپنی کتاب "تشریح الافلاک" میں اسطرلاب والا طریقہ بتا کر لکھتے ہیں:"طريق اخرا سهل من الاوّل تاخذ يوم كون الشمس فی احد الجزئين السابقين (ای ثامة الجوزاء اوالثالثة والعثرين من السرطان) لكل خمس عشر درجة من التفاوت بين الطولين ساعة ولكل درجة اربع دقائق فاذامضیٰ من نصف النهار بقدر مامعك من الساعات والدقائق ان زاد طول البلد اوبقی له يقدره ان نقص فظل المقياس ح خط سمت القبلة وهی علی خلاف جهت الظل۔"

علامہ عصمت اللہ اس کی شرح میں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

"وذلك لان دائرة الارتفاع تمرّحينئذٍ بسمت راس مكة ايضا والظل يكون فی سطحها فخط الظل هو خط سمت القبلة فما يحاذی احد طرفی هذا الخط من اجزاء الدائرة الهندية يكون نقطة سمت القبلة۔"

سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا ایک اور آسان طریقہ

یہ تو مشرقی صاحب کو سمتِ قبلہ کے معلوم کرنے کے آلات کا پتہ بتانا تھا۔ اب عام مسلمانوں کے لیے سمت قبلہ نکالنے کی سہل ترین ترکیب لکھتا ہوں۔ ۲۹ مئی اور ۱۴/ جولائی کی تاریخوں میں اپنے شہر اور مکۂ معظمہ میں جتنے گھنٹہ اور منٹ کا فرق ہو، نصف النہار کے بعد اتنے گھنٹہ اور منٹ پر کسی عمود یا پایہ کا سایہ دیکھیں، یا خود سیدھے دھوپ میں کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت کا سایہ ٹھیک سمتِ قبلہ کو بتائے گا۔ مکۂ معظمہ اور کسی شہر کے وقت میں گھنٹہ اور منٹ کا فرق اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اطلس کے آخر میں شہروں کا طول و عرض دیا ہوتا ہے اس سے مکۂ معظمہ اور اس شہر کا طول معلوم کر کے چھوٹے کو بڑے سے تفریق کریں۔ حاصل تفریق کو چار میں ضرب دے کر ساٹھ پر تقسیم کریں، اس سے گھنٹہ منٹ معلوم ہو جائے گا۔ کاش مشرقی صاحب لاہور کی مساجد کو کم از کم اسی قاعدے سے دیکھنے کے بعد ان کی سمتِ قبلہ کے غلط ہونے کا حکم لگاتے۔

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:"میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے سب نمازی مسلمان اگر اپنی نمازوں کو بارگاہ خداوندی میں پھر قبول کرانا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے غلط قبلوں کو اس صحیح نقشے سے درست کرلیں جو میں نے الاصلاح میں دیا ہے یا اس سے بہتر نقشے سے درست کرلیں۔ غلط قبلوں والی مسجدوں پر آلاتِ رصدیہ کے ذریعے سے صحیح قبلوں کے نشان از سرنو لگوائیں حتی الوسع پرانی مسجدوں میں جن کے قبلے یقیناً درست ہوں گے، اپنی نمازیں علی الخصوص جمعہ کی نماز ادا کریں۔" نماز کی قبولیت اور عدم قبولیت اور چیز ہے اور شرائط و ارکان کے مطابق ہونا اور چیز۔ ٹھیک سمت قبلہ پر نہ ہونے سے عدم قبولیت کا حکم لگانا ہرگز صحیح نہیں۔

مشرقی صاحب کے نقشہ کی غلطیاں

الاصلاح کے نقشوں سے قبلوں کی درستی کی بھی ایک ہی کہی، آپ حکم تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو دے رہے ہیں اور نقشے میں صرف چند جگہوں کے نام دیے ہیں اور وہ بھی غلط، مثلاً پٹنہ کا طول ۸۵ ہے، آپ کے نقشہ میں ۹۰ درجہ سے بھی پورب یعنی ۹۲ درجہ ہے اور عرض ۲۵ درجہ ہے۔ مگر آپ کے نقشہ میں خط سرطان کے قریب یعنی ۲۳ درجہ

ہے۔ اولاً تو یہ قاعدہ ہی غلط ہے اگر قاعدہ صحیح بھی ہو تو مشرقی صاحب کے نقشہ میں ایسی فاش غلطیاں ہیں کہ ان پر بنیاد رکھنا کسی طرح صحیح نہیں اگر صحیح نقشہ بھی دستیاب ہو جائے تو اس میں گنتی کی چند جگہوں کے سوا تمام آبادیوں کے نام نہیں ہوتے۔ پھر نقشہ میں اگر وہ جگہ جس کی سمتِ قبلہ معلوم کرنی ہے مل بھی گئی، تو نقشہ میں مکہ معظمہ اور اس شہر کے درمیان خط کھینچ دینے سے اس شہر کی مسجدوں کی سمت قبلہ کس طرح معلوم ہو گی پھر سطحی خط اور ہے کروی خط اور، نقشہ میں ان دونوں شہروں کے درمیان خط ملا دینے سے اس دائرہ کے مساحت پر کس طرح ہو گا جو سمت الراس مکۂ معظمہ پر گزرتا ہو اور افق بلد سے متقاطع ہو۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمُو اینجاست

نہ ہر کہ موبتر اشد قلندری داند

ایک پُر لطف تجویز

سب سے پر لطف آلات رصدیہ کے ذریعے مسجدوں کے صحیح قبلوں کا نشان بنانے کی تجویز ہے۔ اولاً ہر مسجد کے لیے قیمتی آلات آئیں گے کہاں سے؟ پھر ہر جگہ کے عوام ان کے استعمال سے واقف نہیں۔ مولویوں اور ملاؤں کو آپ ناواقف بتا چکے ہیں، تو کیا ہر جگہ آپ خود زحمت گوارا فرمائیں گے، جن جن مسجدوں میں آپ نے نمازیں پڑھی ہیں، کیا ان کی سمت قبلہ آپ نے آلات کے ذریعے سے درست کرلی تھی، اچھرہ کی مسجد کا جہاں آپ چار سال سے مقیم ہیں اور جس میں آپ نے ہزاروں نمازیں پڑھی ہوں گی سمت قبلہ کیا ہے، نقطۂ مغرب سے کس قدر اور کس جانب انحراف ہے، کسی ایسی تجویز کا جس پر خود عمل نہ ہو پیش کرنا مضحکہ انگیز ہے۔

کیا مسجد کی قدامت اس کے سمت قبلہ کی صحت کی دلیل ہے

مشرقی صاحب نے لاہور کے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ "وہ اپنی تمام نئی مسجدوں کو چھوڑ کر شاہی مسجد، سنہری مسجد اور وزیر مسجد وزیر خاں میں نماز ادا کریں۔" کیا مشرقی صاحب نے ان مسجدوں کی سمت قبلہ کی تحقیق کرلی ہے یا محض قدامت کی بنا پر ان کی صحت تسلیم کرتے ہیں؟ ان کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قدامت کی بنا پر ان کا قبلہ صحیح سمجھتے ہیں، اس لیے کہ لاہور کی تمام مسجدوں کے سمت قبلہ سے منحرف ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

خاتمہ

مشرقی صاحب کا رسالہ "مولوی کا غلط مذہب نمبر ۹" شروع سے آخر تک بالکل غلط ہے۔ جو مسجدیں سمت قبلہ کے مطابق ہیں خواہ نئی ہوں یا پرانی، ان کی نمازوں کے سمت قبلہ کے موافق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اور جن مسجدوں کے قبلے صحیح سمت میں نہیں ہیں تو اگر وہ ۴۵ درجہ کے اندر تک ہیں جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ گو ہمارے بتائے ہوئے قاعدہ کے مطابق ان کی سمت قبلہ صحیح کرلینا ضروری ہے، لیکن اگر ان کی موجودہ حالت میں بھی ان میں نمازیں پڑھی جائیں، جب بھی ہو جائیں گی، اور سمت کعبہ کی جانب رُخ ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ رخ کا کوئی جُزء کعبہ کی سمت میں واقع ہو۔ پس اگر کعبہ سے خفیف انحراف بھی ہو لیکن رُخ کا کوئی جزء کعبہ کے مواجہ میں ہو تو نماز ہو جائے گی۔ البتہ اگر ۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف ہو گا تو استقبال نہ ہو گا اور اس صورت میں نماز نہ ہو گی، جیسا کہ اس شکل سے واضح ہو گا۔ مثلاً ا۔ب ایک خط ہے اس پر ہ ح عمود ہے۔ فرض کیجیے کہ کعبۂ معظمہ عین نقطہ ح کے محاذی ہے دونوں قائمے اہ ح اور ح ہ ب کی تنصیف کرتے ہوئے خطوط د ہ اور ہ ج کھینچے تو یہ زاویے ۴۵، ۴۵ درجے کے ہوئے کیونکہ قائمہ ۹۰ درجہ کا ہوتا ہے۔ اس شکل کے مطابق جو شخص مقام ہ پر کھڑا ہے، اگر نقطہ ح کی طرف رخ کرے تو عین کعبہ کی جانب ہو گا اور اگر داہنے یا بائیں د یا ج کی طرف جھکے تو جب تک ہ د یا ہ ج کے اندر رہے، جہتِ کعبہ میں ہے اور جب د سے بڑھ کر د ب یا ہ ج کے اندر رہے، جہتِ کعبہ میں ہے اور جب د سے بڑھ کر د ب یا ج کے اندر رہے، جہتِ کعبہ میں ہے اور جب د سے بڑھ کر د ب یا ج سے گزر کر ج ا کے درمیان ہو جائے گا تو جہت بالکل بدل جائے گی اور نماز نہ ہو گی۔
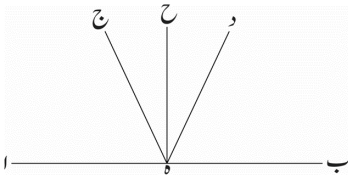
(منقول از رسالۂ معارف اعظم گڑھ بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۴۰ء)

حاشیہ

[۱] ظل اور ظل التمال حبیب اور حبیب التمام وغیرہ کی لوکارتمی اعداد میتھ مٹیکل ٹیلس لوگارتھس چمبر صاحب میں ملیں گے۔ یہ کتاب رڑکی ٹامسن کالج سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

مقبوضہ کشمیر میں اُردو

سید ریاست علی قادری (بانی ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، پاکستان)

کشمیر میں اُردو کی مقبولیت اور اس کے عروج کی کشمیری اور اُردو زبانوں کی ایک جیسی تاریخی اور ارتقائی حیثیت ہے۔ جب ہم موجودہ کشمیری شاعری اور زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس میں وہی رنگ نظر آتا ہے جو اُردو شاعری پر چڑھا ہوا ہے اور اسی طرح جب ہم نثر کو دیکھتے ہیں تو نثر کا بھی وہی رنگ کشمیری نثر میں رچا نظر آتا ہے جو اُردو زبان میں رچا ہوا ہے۔ موجودہ کشمیری زبان اور شاعری کا معتدبہ حصہ غیر زبانوں کے الفاظ پر اسی طرح مشتمل ہے جس طرح اردو شاعری اور ادب۔ کشمیری اور اردو کو اپنی ارتقائی منازل طے کرنے میں یکساں آسانیاں اور دشواریاں پیش آئیں۔ دونوں زبانوں کی نشوونما اور آبیاری ایک ہی طرح سے ہوئی۔

کشمیری زبان کا اردو کے ساتھ سب سے بڑا اور پہلا تعلق یہ ہے کہ جن حالات کے پیشِ نظر اُردو وجود میں آئی بالکل ان ہی حالات کے زیرِ اثر کشمیری زبان نے بھی جنم لیا اور جن عوامل کے کارفرما ہونے سے اردو پیدا ہوئی ان ہی عوامل کے پیشِ نظر کشمیری بھی معرضِ وجود میں آئی ہے۔ یعنی جب مسلمان فاتحین ہند میں داخل ہوئے تو ان کے قدم جمانے میں مہمان اور میزبان لوگوں کے درمیان التفات بڑھا، جس سے یہاں کی زبان میں تغیر آتا چلا گیا اور جہاں یہ فاتحین زیادہ دیر تک قیام پذیر رہے وہاں ایک نئی زبان وجود میں آئی جس کا نام اردو پڑا، جسے لشکری زبان بھی کہا جاتا ہے۔ بطور لشکری زبان کے ایسی حالت کشمیری زبان کی بھی رہی۔ یہ بھی اسی طرح فاتحین کی زبانوں کا اثر قبول کرتی رہی جس طرح اردو نے قبول کیا۔ اردو زبان مختلف قوموں کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔ یہی حال کشمیری زبان کا بھی ہے۔ جس طرح ہند میں مغل کئی سو سال تک حکومت کرتے رہے اور پھر انگریز دو سو سال تک۔ اسی طرح کشمیر پر بھی فارسی، عربی اور دوسری زبانیں بولنے والے حکومت کرتے رہے، جس سے کشمیری زبان متاثر ہوتی رہی۔ چونکہ ہندوؤں کی غلامی میں اس ملک نے زیادہ وقت گزارا ہے اس لیے سنسکرت کا اثر اس زبان پر بہت زیادہ ہے۔ لیکن سنسکرت زبان کے اثر کو فارسی نے کافی حد تک ختم کر دیا۔ کشمیر کے اعلیٰ خاندان چاہے وہ ہندوؤں سے تعلق رکھتے ہوں یا مسلمانوں سے فارسی آمیز اردو بولنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔

کشمیر میں اردو کی ترویج و ترقی میں جہاں پنجابیوں کا بہت بڑا حصہ ہے وہاں شمالی ہند (اترپردیش) کے لوگوں نے بھی اس کی ترقی میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یوپی سے ہزاروں لوگ نقلِ مکانی کر کے مستقلاً کشمیر میں آباد ہوئے اور اسی طرح کشمیر سے ہزاروں خاندان یوپی میں آکر آباد ہو گئے۔ اس طرح کشمیری زبان پر اردو کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

انیسویں صدی کے اواخر سے لے کر آج تک کشمیری شاعر اردو میں شاعری اور نثر نگاری کرتے رہے۔ پندرھویں صدی سے لے کر آج تک کشمیر میں فارسی علم و ادب کو کافی فروغ حاصل رہا اور اس کا اثر و نفوذ اتنا بڑھ گیا کہ آج یوں لگتا ہے کہ جیسے اردو نے کشمیر میں ہی جنم لیا ہو اور صدیوں سے یہ زبان لکھائی اور پڑھائی جارہی ہو۔ فارسی زبان کو اردو نے پیچھے دھکیل دیا اور اپنا ایک منفرد مقام بنالیا۔ جہاں اردو زبان کشمیر میں ترقی کر رہی ہے اور وہاں کی سرکاری زبان ہے جو دفتروں اور درس گاہوں میں رائج ہے وہاں کشمیری زبان بھی اس کے دوش بدوش آگے بڑھ رہی ہے، اس کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔ وہی تراکیب، وہی خیالات، وہی جدت اور تنوع جو اردو میں نمایاں ہے کشمیری زبان اپنے اندر پیدا کر رہی ہے۔ ۱۹۲۵ء کے بعد ریاست میں تعلیم کو فروغ حاصل ہونے لگا اور اسکول کھلنے لگے، ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ جموں اور کشمیر سے اخبار و رسائل نکلنے لگے۔ ان میں پاسبان، زبیر، چاند، ہمدرد، البرق، ہدایت، صداقت، رہبر، جاوید، جمہور، خدمت، وطن، حریت، اسلام، خالد، نور اردو زبان کے معیاری اخبارات ہیں۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد ریڈیو سے جہاں اردو کو بہت زیادہ فروغ ہوا وہاں کشمیری اَصنافِ ادب کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ چنانچہ آزاد نظمیں، جدید نظمین، ڈارمے جہاں اردو میں لکھے جارہے ہیں وہاں اس کی دیکھا دیکھی کشمیری زبان بھی آگے بڑھ رہی ہے۔

کشمیر کی خوبصورتی نے شاعروں، ادیبوں، اور مصوروں کو اپنی طرف مائل کیا۔ چنانچہ پنجاب اور یوپی سے سینکڑوں ادیب وشاعر اس سرزمین میں آئے اور اردو ان کے ساتھ آئی ان افراد نے یہاں اردو کو اس طرح متعارف کرایا کہ کشمیر کی زبان اردو ہوگئی۔ پھر کشمیر کے لوگ خود بھی دور دور تک گئے اور ہندوستان کے شمالی علاقوں میں یہ سفر موسموں کی ناسازگاری اور روزگار کی تلاش کی وجہ سے ہوئے۔ یہ لوگ جہاں بھی گئے وہاں سے جب واپس لوٹے تو اردو کے ہزاروں الفاظ اپنے ساتھ لائے، اس طرح کشمیر میں اردو بہت زیادہ پھولی اور پھلی۔ کشمیر پر ڈوگرہ قبضہ کے بہت بعد تک دفتری زبان فارسی تھی۔ جموں میں عام بول چال کی زبان ڈوگری تھی اور کشمیر میں کشمیری زبان تھی۔ اگرچہ کشمیری زبان میں اس کا سرمایۂ ادب موجود تھا، تاہم ڈوگری کی طرح یہ ایک علاقائی زبان تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسی زبان ہو جو دونوں صوبوں میں رابطے کا ذریعہ بنے۔ جموں کے باشندے کشمیری سے ناآشنا تھے اور اہلِ وادی ڈوگری سے۔ کچھ عرصے بعد مواصلاتی نظام بہتر ہونے لگا اور ریاست کو پڑھے لکھے لوگوں اور ہنرمندوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہندوستان اور پنجاب سے لوگ کشمیر میں آنے لگے۔ یہ لوگ اپنی زبان اردو بھی اپنے ساتھ لائے اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے کشمیر میں اردو کی ترویج کی سبیل نکل آئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی بھی کشمیر میں اردو کی ترویج کا ایک مؤثّر سبب بن گئی؛ وہ اس طرح کہ اِنگریزوں نے تحریکِ آزادی کو کچلنے کے لیے گلاب سنگھ سے فوجی امداد طلب کی۔ گلاب سنگھ اگرچہ ۱۸۵۷ء میں حکومتی کاموں سے اپنے بیٹے رنبیر سنگھ کے حق میں دستبردار ہوچکا تھا، تاہم گلاب سنگھ نے ڈوگرو فوجوں کو انگریزوں کی امداد کے لیے دہلی بھیجا۔ جنگِ آزادی ختم ہونے کے باوجود یہ ڈوگرو فوجیں کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہیں اور جب ریاست میں واپس آئیں تو اپنے ساتھ اردو کے بے شمار الفاظ بھی لائیں جس سے کشمیر میں اردو کے رائج ہونے میں بڑی مدد ملی۔ جموں میں جہاں ڈوگری، گوجری اور پنجابی کارواج تھا معمولی محنت سے اردو کو اپنالیا گیا۔ اہلِ کشمیر بھی آہستہ آہستہ اردو سے مانوس ہونے لگے اور ان کے مانوس ہونے کی بڑی وجہ ہندوستانی سیاحوں کی آمد ورفت بھی تھی۔ اسی طرح گلگت، بلتستان اور لداخ میں جہاں کی زبانیں شنا، بردشسکی اور لداخی تھیں اردو رابطے کی زبان بن گئی، ان علاقوں میں ڈوگرو راج کے تسلط کے بعد انتظامی امور کے لیے جو ملازمین گئے ان کا تعلق جموں اور کشمیر سے تھا۔ ریاستی ملازموں کے علاوہ کشمیر ریذیڈنسی کے ملازم بھی گلگت میں مقیم تھے اور ان میں اردو کے ممتاز شاعر امین حزیں، مولوی محمد حسن اور ماسٹر غلام حیدر بھی شامل تھے جو برسوں گلگت میں رہے۔ محکمۂ تعلیم میں ماسٹر غلام حیدر جموں کے مشہور ڈرامہ نویس اور مولوی محمد حسن صاحب جموں کے مشہور ڈرامہ نویس اور مولوی محمد حسن صاحب ایسے ماہرِ تعلیم اور ادب دوست بزرگ علاقے میں اردو کی ترویج وترقی کے لیے کوشاں رہے۔ ان حضرات کی فروغِ تعلیم کی جدوجہد اور ادبی مجلسوں سے کٹے ہوئے اور بلند پہاڑوں میں گھرے ہوئے علاقوں میں اردو کی ہر دل عزیزی روز بروز بڑھتی رہی یہاں تک کہ ان علاقوں میں اردو کے شاعر اور ادیب بھی پیدا ہوئے۔

ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنے درباروں کی شان بڑھانے کے لیے مغلیہ درباروں کی طرح ہندوستان سے نقیب بلوا کر ملازم رکھے ہوئے تھے۔ یہ نقیب جب دربار منعقد ہوتا تو مغلیہ درباروں کے روایتی انداز میں دربار میں مہاراجہ کی آمد کا اعلان کرتے۔ یہ نقیب ریاست میں تنہا نہیں آئے تھے ان کے اقربا واعزا بھی ساتھ تھے۔ مقامی لوگوں سے وہ اردو میں بات چیت کرتے تھے جو اپنی شیرینی کے اعتبار سے مقامی لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی چلی گئی۔ ان کے علاوہ مہاراجہ کا خاص باڈی گارڈ رام پور کے روہیلوں پر مشتمل تھا جو اردو بولتے تھے اور شہر کے لوگوں سے اردو میں گفتگو کرتے تھے۔

لسانیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ زبانوں پر بیرونی اثرات اتنی بے خبری سے ہوتے ہیں کہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا چنانچہ جموں اور کشمیر میں رواج پانے والی اردو زبانوں کا ارتقا ایسے ہی غیر محسوس ذرائع سے ہوا جو آگے چل کر نہ صرف عام بول چال کی زبان بن گئی بلکہ سرکاری دفاتر میں بھی فارسی کی جگہ سنبھالنے کے قابل ہوگئی۔

ریاست میں اردو کے فروغ میں کئی اور عوامل کا بھی دخل ہے جن میں محرم کی مجلسیں بھی تھیں۔ ان مجلسوں میں لکھنؤ سے ذاکر بلوائے جاتے تھے۔ مجلسوں میں ہندو اور مسلمان بڑی کثیر تعداد میں شامل ہوتے اور ذاکروں سے لکھنوی لب ولہجے میں مرثیے اور سلام سنتے۔ کچھ واقعات کا اثر اور کچھ ذاکروں کا اندازِ بیان سننے والوں کو متاثر کرتا اور مرثیوں کے کئی مصرعے عوام کی زبانوں پر چڑھ جاتے۔ جموں کے بڑے بوڑھے جو بالکل ان پڑھ تھے ان کو بھی شعر سننے اور سنانے کا شوق تھا اور وہ اکثر نظیر اکبر آبادی کی نظمیں سنتے تھے ان عوامل نے ان پڑھ لوگوں میں مقبولیت

حاصل کر کے جموں وکشمیر میں اردو کی ترویج میں آسانیاں پیدا کر دیں۔

ہندوستان سے اکثر اوقات ڈرامہ کمپنیاں ریاست میں آتی تھیں، جن میں جموں کے عوام بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ ان ناٹک کمپنیوں کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ جموں میں ایک ناٹک کمپنی تشکیل پائی، جس کے لیے اداکار ہندوستان سے آئے۔ اس کمپنی نے آغا حشر کے مشہور ڈراموں کو اسٹیج کر کے وہاں تہلکہ مچادیا۔ اس طرح کھیل تماشوں کی وجہ سے اردو کو عوام الناس میں پھولنے اور اور پھلنے کا موقع ملا۔

مختصر سی مدت میں کشمیر میں اردو کو اتنی ہر دل عزیزی حاصل ہوگئی کہ حکمران اور رعایادونوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ آگے چل کر اردو ہی ریاست میں مقامی زبانوں سے زیادہ بول چال کی زبان ہوگی۔ ۱۸۵۸ء میں احمدی پریس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد اور بھی کئی پریس قائم ہوئے جہاں سے اردو لٹریچر شائع ہونا شروع ہوگیا۔ کشمیر میں اردو کی ترویج وترقی میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس، انڈیا کشمیری کانفرنس، انجمن اسلامیہ جموں، انجمن نصرت الاسلام سری نگر اور ینگ مسلم ایسوسی ایشن جموں نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ادبی انجمن، اردو لائبریریاں قائم ہوئیں اور مشاعروں کا اہتمام بھی ہونے لگا۔

ریاست میں اردو کی مقبولیت کو دیکھ کر ۱۹۳۶ء میں ہندو فرقہ پرستوں نے ہندی کی ترویج کی کوشش شروع کر دی تھی۔ یہ لوگ ہندو راجہ کی حکومت میں اردو کے فروغ وترقی سے جل بھن گئے تھے اور چاہتے تھے کہ ریاست میں اردو رسم الخط کی بجائے دیوناگری رسم الخط کو رواج دیا جائے۔ تعلیم اور دفتروں کی زبان ہندی ہو جائے؛ لیکن ہندی کے پرستاروں کی مخالفتوں کے باوجود اردو کا چراغ روشن رہا اور اس کی روشنی ساری ریاست میں پھیلتی ہی چلی گئی۔ کیونکہ یہ ایک فطری عمل تھا اور مصنوعی رکاوٹیں فطری عمل کا راستہ نہیں روک سکتیں۔

ریاستِ کشمیر کے دفتروں میں بیسویں صدی کی ابتدا سے ہی اردو کا چلن ہوگیا تھا اس سے قبل فارسی میں خط وکتابت تھی ضلعی سطح پر تو مکمل طور پر اردو میں تمام کام ہوتے تھے۔ ہائی کورٹ کے سوا باقی عدالتوں میں اردو کا رواج تھا۔ وکلا کی بحثیں بھی اردو میں ہوتی تھیں۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم نے جموں وکشمیر کو اردو کی ترقی کا ایک اور سنہری موقع دیا "زمیندار" اور "الہلال" جنگ کی تازہ خبروں سے بھرے ہوتے تھے۔ ان اخباروں نے جموں وکشمیر میں اردو کی ترویج وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ تعلیمی اور ذرائع ابلاغ کے اداروں میں ہر طرف اردو کا ہی چلن دکھائی دیتا ہے، حتیٰ کہ کشمیری حریت پسندوں کی حالیہ تحریک کے دوران اردو بھی زیرِ عتاب آئی اور مخالف قوتوں نے اردو کو ختم کرنے کے لیے کئی منظّم کوششیں کیں، جن کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۰ء)

(بقیہ صفحہ نمبر2 سے ملحق)

(۱) تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے ۵۷ اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے جس کی قیادت پاکستان کرے جیسا کہ طرح ماضی میں بھی پاکستان یہ فریضہ سرانجام دے چکا ہے۔

(۲) اقوامِ متحدہ میں تمام اسلامی ممالک مشترکہ لائحۂ عمل طے کریں۔ مؤثر طریقے سے تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے آواز بلند کریں۔

(۳) او۔ آئی۔ سی کو اس مشن کے لیے متحرک کیا جائے۔

(۴) بین الاقوامی سطح پر کانفرنس اور سیمینارز منعقد کیے جائیں جس میں دنیا کو یہ پیغام دیا جائے کہ گستاخ رسول ﷺ سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

(۵) جس ملک میں بھی شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب ہو اس سے سیاسی اور حکومتی سطح پر بھرپور احتجاج کیا جائے۔

(۶) ایسے ادارے قائم ہوں جو تحقیقی انداز میں سیرت پر کام کریں اور مؤثر انداز میں نبی کریم ﷺ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کریں جسے یورپ اور امریکہ میں فروغ دیا جارہا ہے۔

(۷) تحفظِ ناموسِ رسالت میں میڈیا اپنا مثبت کردار ادا کرے۔

(۸) حکومت ایسی تمام کتابوں پر فوری پابندی عائد کرے جس سے گستاخی رسول ﷺ کی بو آتی ہو۔

(۹) حکومت تحفظِ ناموسِ رسالت ریلیوں کو مکمل تحفظ فراہم کرے تاکہ کوئی شرپسند اس میں تشدد کا رنگ نہ بھر سکے جو بدنامی کا باعث ہو۔

(۱۰) عالمی تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنس کا انعقاد کیا جائے جس میں غیر مسلم اسکالرز کو بھی مدعو کیا جائے۔

(۱۱) تحفظ ناموسِ رسالت کے تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے۔

جانیے

از افادات: امام احمد رضا محدث بریلوی
ترتیب: فرحان احمد قادری (مصطفوی شریعہ کالج، کراچی)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روز مرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاوٰی کو "جانیے" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیے گئے ہیں۔

گاڑی والے کو کرایہ دینا بھول گئے، تو کیا کریں؟

اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو ہر گاڑی کہ آمد و رفت پر ضرور آتی جاتی ہیں۔ اگر زید اسٹیشن پر تلاش کرتا ملنا آسان تھا اب بھی خود یا بذریعہ کسی متدیّن (دین دار) معتمد سے تلاش کرائے اگر ملے دے دیئے جائیں، ورنہ جب یاس و نا اُمیدی ہو جائے اس کی طرف سے تصدّق (صدقہ) کر دے اگر پھر بھی وہ ملے اور اس تصدّق پر راضی نہ ہو تو اسے اپنے پاس سے دے، تنویر الابصار و در مختار میں ہے: اس پر قرض اور مظالم (ظلم سے لی ہوئی چیز) ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے نا امید ہو چکا ہے تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہو جائے، ہمارے ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علم میں ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایسا سامان ہو جس کے مستحقین معلوم نہیں قرضوں کو اجناس پر قیاس کرتے ہوئے، اور جب اس نے ایسا کر دیا یعنی صدقہ کر دیا تو آخرت میں اصحاب دیون (قرض خواہوں) کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا۔
(الدر المختار کتاب اللقطۃ)

انہیں میں ہے: اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے صدقہ کرنے والے کے فعل کو جائز قرار دے اگرچہ اجازت لقطہ (وہ چیز جو زمین سے گری ہوئی ملے اور اسکے مالک کا معلوم نہ ہو) کی ہلاکت کے بعد ہو اس کا ثواب مالک کو ملے گا اور اگر چاہے تو اس کو ضامن ٹھہرائے۔ (الدر المختار) (ص:۵۶،۵۵)

غیر مسلم کو اس کی موت کی بعد قرض کی ادائیگی

جو شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے نہ کسی کے نام وصیت کی ہو تو اس کے مال کا مستحق بیت المال ہے اور بیت المال کے ایسے مال کے مستحق مذہب جمہور پر فقراء مساکین عاجزین ہیں کہ ان کے کھانے پینے، دوادارُو، کفن دفن میں صرف کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے: یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچا ہوا ترکہ) رَد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقرا ہیں جن کے لیے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقرا ہیں۔ (ردالمختار کتاب الزکوۃ باب العشر)

اور یہ حکم جیسا مالِ مسلم کے لیے ہے یونہی مال کافر کے لیے بھی، عالمگیری میں ہے: ذمیوں میں سے کوئی مر گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں تو اس کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اختیار شرح مختار میں یونہی ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض)

پس ایسی صورت میں وہ مال فقرا کو دے دے نہ اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے کہ کافر اصلاً اہل ثواب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ خبیث مر گیا اور موت مزیل ملک ہے تو اب وہ اس کا مالک نہ رہا بلکہ حق بیت المال ہوا تو فقرا کو بذریعہ استحقاق مذکور دیا جاتا ہے۔ (ص:۵۳)

بیوی اپنے شوہر کا مرنے کے بعد چھوڑا ہوا مال بطور مہر رکھنا

زر مہر قیمت ترکہ سے زائد ہے تو وارثوں کے لیے ترکہ میں اصلاً ملک

(ملکیت) ثابت نہ ہوئی۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: جو قرض تمام ترکہ کو محیط ہو وہ ملک وارث سے مانع (رکاوٹ) ہوتا ہے۔ (الاشباہ والنظائر ،الفن الثالث) ترکہ میں جس قدر زر نقد تھا ہندہ کا اسے اپنے مہر میں لے لینا صحیح وواجبی ہوا اور اتنے روپے مہر میں سے ادا ہو گئے۔ عالمگیری میں ہے: اگر میت نے اپنی بیوی کے مہر کے برابر نقدی چھوڑی تو وہ اس میں سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر قادر ہو گئی ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ)

باقی مال نہ تو وارث بے ادائے بقیہ مہر اپنی میراث میں لے سکتے ہیں نہ ہندہ بے رضامندی دیگر ورثہ اپنے مہر میں لے سکتی ہے بلکہ اسے بیچ کر ہندہ کا باقی مہر اور اسی طرح اور دین (قرض) بھی اگر ذمہ زید ہو ادا کیا جائے گا اور کوئی وارث کچھ نہ پائے گا خواہ دیگر ورثہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دین ادا کرکے جائداد بیع سے بچالیں۔ اشباہ میں ہے: وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کرکے ترکہ کو بیع سے بچالے۔ (الاشباہ والنظائر الفن الثالث) (ص:۶۰)

بیوی کی طرف سے شوہر کی وفات پر مہر کا معاف کر دینا

اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورت مسلمان نمازی پرہیز گار جو نہ کسی گناہ کبیر میں مبتلا ہوں نہ کسی گناہ صغیرہ میں اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی فعل سفلہ میں آوارہ وضعی کا کرتے ہوں اور ان کی عقل و یاد قابل اعتماد ہو اور اس معاملے میں ان کا بیان گمان و تہمت طرف داری سے پاک ہو (کہ ان سب شرائط کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے) ایسے گواہ شہادتِ شرعیہ دیں کہ ان کے سامنے ہندہ نے مہر معاف کر دیا تو معافی ثابت ہو جائے گی اور ہندہ دعوائے مہر نہ کر سکے گی اور اگر گواہوں میں ان سات شرطوں میں سے ایک بھی کم ہے تو ان کا بیان نامقبول ہو گا۔ (ص:۶۱)

غیر مسلم کا قرض مسلمان پر تھا دونوں مر گئے اب اس مسلمان پر کچھ عذاب ہے یا نہیں؟

اگر وہ کافر حربی ہے تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں جس کا تصفیہ درکار فان اموالھم مباحۃ غیرمعصومۃ (کیونکہ حربی کافروں کا مال مباح ہے معصوم نہیں۔) ہاں بطور غدر (دھوکہ) وعہد شکنی لیا ہو گناہ وحق اللہ ہے جس پر مواخذہ یا عفو (معافی) اللہ عزوجل کی مشیّت میں ہے)۔

اور وہ کافر ذمی ہے تو اگر یہ قرض اس نے سچی نیت سے لیا اور اس کے ادا کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مر گیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہو گا کہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا اس کا فعل نہیں۔ اور اللہ عزوجل بے کسی گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔ رہا اس کا حق اسے اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے راضی فرمادے گا اگرچہ اس پر کسی عذاب یا ہول کی تخفیف سے ہر کافر پر کفر و معاصی سب کے سبب عذاب ہے۔ قال تعالیٰ: ماسلکم فی سقر، قالوا لم نك من المصلين۔ مسلمان کافروں سے کہیں گے تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (القرآن الکریم)

جزاء کفر تخلید فی النار والعذاب (کفر کا بدلہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب اور آگ) ہے اس میں تخفیف امکانِ شرعی نہیں رکھتی، فان التخفيف في التابيد ابطال له رأسا وفيه تبديل القول وهو محال۔ ہیشگی میں تخفیف اس کا ابطال ہے اور اس میں قولِ باری تعالیٰ کی تبدیلی لازم آتی ہے جو کہ محال ہے۔

باقی بالائی عذابوں ہولوں میں حسبِ ارادۂ الٰہیہ تخفیف سے کوئی مانع نہیں، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو لوگوں کا مال بہ ارادہ ادا لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادے (اس کو امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔) (صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض)

اور فرماتے ہیں ﷺ: جو کوئی دین اپنے ذمہ کرے اور اس کی ادا کی نیت رکھتا ہے اللہ عزوجل روزِ قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔) (کنزالعمال) اور اگر بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا تو ضرور گناہ وحق العبد ہے ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے اس صورت میں علما فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ "والہذا فرماتے ہیں کہ ذمّی کا حق مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔ فتاوٰی خانیہ آخر کتاب الغصب میں ہے: کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا (چھینا) یا چوری کیا تو روزِ قیامت اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے مالِ معصوم لیا حالانکہ ذمی سے معافی کی امید بھی نہیں، کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے، لہٰذا خصومت ذمی (ذمی کا جھگڑا

کرنا) زیادہ شدید ہے۔ خصومت کے وقت مسلمان کی عبادت کا ثواب کافر کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ ثواب کا اہل نہیں اور نہ ہی کافر کے کفر کا وبال مسلمان پر ڈال دینے کی کوئی وجہ ہے لہٰذا اس کی خصومت بر قرار رہے گی۔(فتاوٰی قاضی خاں کتاب الغصب)۔" طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ بیان آفات الرجل میں ہے: فقہاء نے فرمایا ہے حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کا واقع ہونا متعین ہے کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں۔ ایسا ہی ذمی جس پر مسلمان نے ظلم کیا ہو تو اس مسلمان پر عذاب متعین ہے جبکہ دنیا میں اس سے معاف نہ کرالیا ہو۔ حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الدرر پر اپنی شرح میں فرمایا کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا حالانکہ ذمی کا ظلم و خصومت سخت ترین ہے کیونکہ یا تو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے یا اس کی نیکیاں لے حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہے اور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں، چار پائے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کا وہ اہل ہی نہیں لہٰذا عذاب متعین ہوا، (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ)

مگر یہ اسی حالت میں ہے جبکہ بدلہ لینا ہی مشیت رب العزۃ عز جلالہ ہو، ورنہ ممکن ہے کہ وہ کافر کے دل میں ڈالے کہ معاف کردے یا کسی تخفیف کے بدلے اس سے معاف کرادے، (ص:۶۲ تا ۶۶)

کشادگی کے باوجود ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا اسی حال میں دونوں فوت ہوگئے تو روزِ حساب کیا ہوگا؟

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ہاتھ پہنچتے ہوئے کا ادائے دین (قرض کی ادائیگی) سے سرتابی کرنا اس کی آبرو کو حلال کردیتا ہے یعنی اسے برا کہنا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہوجاتا ہے اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔(صحیح البخاری) اشباہ والنظائر میں ہے: وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔(الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ)، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹ کہے، اور جب وعدہ کرے خلاف کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ (یا جیسا کہ آپ نے فرمایا اور اس معنٰی میں احادیث کثیر ہیں۔)(صحیح البخاری کتاب الایمان)

صورتِ مستفسرہ میں زید فاسق و فاجر، مرتکبِ کبائر، ظالم، کذّاب، مستحقِ عذاب ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لیے چاہتا ہے، اگر اس حالت میں مر گیا اور دین (قرض) لوگوں کا اس پر باقی رہا اس کی نیکیاں ان کے مطالبے میں دی جائیں گی اور کیوں کردی جائیں گی۔ تقریباً تین پیسہ دین کے عوض سات سو نمازیں باجماعت کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذباللہ العزیز الغفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔) جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی ان کے گناہ ان کے سرپر رکھے جائیں گے ویلقی فی النّار اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلف صالحین کے احوال طیّبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دین متین پر جرأت ہے، اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دیون (قرضوں) سے پاک ہو، موت کو دور نہ جانے آگ کا عذاب سَہانہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔(ص:۶۹)

ایک مخصوص کمپنی سے متعلق سوال وجواب

سوال: ایک کمپنی جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں ان کا اعلان ہے کہ جو شخص ۳۰ برس کی عمر سے پینتالیس سال کی عمر تک یعنی کامل پندرہ سال تک ہر سال چھہتّر روپے آٹھ آنے کمپنی کو دیا کرے تو پندرہ برس کی مدت گزرنے کے بعد اس کو کمپنی ایک ہزار روپے دے گی، معاہدہ ہونے کے بعد مدت معینہ ختم ہونے سے پہلے مثلاً دو مہینے یا دو سال چار سال کے بعد وہ شخص مر گیا تو بھی کمپنی اس کے وارثوں کو پورے ایک ہزار روپیہ دے گی، رقم معینہ مذکورہ سالانہ کی تعداد کامل پندرہ سال کی مجموعہ گیارہ سو سینتالیس روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے ایسی صورت میں روپیہ جمع کرنا اور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ صورت قمار کی ہے اور میعادِ عمر وہ رکھی ہے جس میں غالب حیات ہے۔ حدیث میں فرمایا: میری اُمّت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی۔(سنن ابن ماجہ ابواب الزہد)۔ اور بحال حیات ظاہر ہے کہ ایک سو پینتالیس روپے آٹھ آنہ کا نقصان ہے کافر کے ساتھ ایسا معاملہ جس میں غالب پہلو اپنے نقصان کا ہو جائز نہیں کما نص علیہ فی فتح القدیر (ص:۷۰)

افاضاتِ رضویہ بزبانِ تاج الشریعہ

ملفوظات: تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری ترتیب: محمد عمران شاکر قادری (کراچی)

Taj-ush Sharia Allama Akhter Raza Khan is the great grandson of Imam Ahmad Raza Khan Barelvi. Besides issuing rulings, he conducts online sessions through internet every week to answer questions. Part of these sessions has been written. A selection from the sessions is presented here in the light of the teachings and research of Imam Ahmad Raza.

جانشینِ مفتیٔ اعظم علامہ اختر رضا خاں خاندانِ امام احمد رضا کی معروف علمی شخصیت ہیں۔ فتاوٰی نویسی اور تبلیغی اسفار کے علاوہ آپ ہر ہفتے آن لائن سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ ان ملفوظات کو بعض احباب نے تحریری طور پر جمع کرنے کی سعی کی ہے جس کا امام احمد رضا کی تعلیمات و تحقیقات سے متعلق ایک انتخاب یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

گھر کے کام اور خواتین کی ذمہ داریاں

عرض: کیا گھر کے کام کرنا عورت کا فرض ہے؟

ارشاد: حالات کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہو جائے گا۔ اگر شوہر استطاعت رکھتا ہے خادمہ کی تو پھر وہ خادمہ کو مہیا کرے اور اس صورت میں عورت پر گھر کا کام ضروری نہیں ہے، واجب نہیں ہے۔ لیکن عرف یہ ہے کہ بیویاں گھر کی حفاظت کرتی ہیں اور گھر کے کام انجام دیتی ہیں اور اس میں گھر کے کاموں کا کچھ حصہ وہ عرفاً اور عقلاً اور عادتاً یہ ایسا ہے کہ وہ بیوی ہی کی ذمہ داری ہے اور وہ اُس کو اس کا نبھانا اُس کے اوپر اُس رشتے کے لحاظ سے ضروری ہے مثلاً گھر کی حفاظت، بچوں کی دیکھ بھال اور ضروری کام انجام دینا۔

شیطانی وسوسوں کا علاج

عرض: جب شیطان کے وساوس اتنے بھیانک ہوں کہ روح کانپ جائے اور اس سے دماغ میں شدید قسم کی کمزوری ہو رہی ہو تو اس کا علاج کیسے کیا جائے؟

ارشاد: درود شریف کی کثرت اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم؛ اللہ ربی لا شریک لہ؛ حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور قرآنِ کریم کی تلاوت یہ سب امور ایسے ہے کہ ان شاء اللہ شیطان کا وسوسہ بھاگ جائے گا، دفع ہو جائے گا اور اُس کو روحانی سکون اور اطمینان حاصل ہو گا۔

نشت ۱۸ جنوری ۲۰۰۹ء بروز اتوار

نماز کے لئے کپڑے موڑنے کی ممانعت

عرض: پینٹ فولڈ کر کے نماز پڑھنا کیسا؟

ارشاد: پینٹ فولڈ کر کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز واجب الاعادہ ہو گی اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم ولا اکف شعرا ولا ثوبا۔ مجھے حکم ہوا کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور یہ حکم ہوا ہے کہ نماز میں کپڑا اور بال کو لٹکتے ہوئے بال کو اور لٹکتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ کر کے کفِ ثوب یا کف شعر نہ کروں۔ تو اس صورت میں کف ثوب لازم آتا ہے کپڑا سمیٹنا یا گھرسنا یہ کف ثوب ہے اور یہ ناجائز ہے۔ یہ ایک بات ہو گئی اور دوسری بات یہ ہے کہ پینٹ اور شرٹ یہ اپنے ایجاد کے اعتبار سے کفار کا اور نصرانیوں کا لباس ہے اور اس [دور] میں یہ کامن ڈریس ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ اب فساق اور فجار کا، بے عمل لوگوں کا، بے راہ رو لوگوں کا لباس ہے اور فساق و فجار کا لباس پہننا ناجائز و گناہ ہے اور اُس کے اندر جو نماز پڑھی جائے گی ضرور کراہت سے خالی نہیں ہو گی۔ تو مسلمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ نماز کا ادب کریں اور نماز کو خشوع اور خضوع کے ساتھ اور شریعت کے احکام کی رعایت کے ساتھ نماز کو ادا کریں۔

نماز کے احکام میں ایک یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے فرمایا خذوا زینتکم عند کل مسجد (سورۃ الاعراف جز آیت ۳۱) اے لوگوں! ہر نماز کے وقت اپنی زینت کو لازم پکڑو اور اپنی زینت لو۔ زینت سے مراد یہاں پر لباس ہے اضافت کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخاطب کیا ہے مسلمانوں کو اور لباس کی اضافت مسلمانوں کی طرف کی ہے اور اضافت اختصاص کے لئے آتی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ وہ لباس جو خاص تمہارا لباس ہے، جو صلحاء کا لباس ہے، جو اسلامی لباس ہے اور اہل دین کا لباس ہے، وہ لباس پہن کر تم نماز کے لئے حاضر ہو۔ تو یہ پینٹ اور شرٹ پہن کر کے نماز پڑھنا اور اب تو یہ بھی دیکھا گیا

بہت سے لوگوں کو کہ وہ ٹائی باندھ کر کے بھی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ آدابِ نماز کے اور آدابِ شرع کے بالکل خلاف ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

قضائے حاجت کے لئے مجرب عمل

عرض Any dua or wazifa for the fulfillment of permissible desires.

ارشاد First of all is durud sharif, one should recite durud sharif. It is best of all, and the holy Prophet has promised that if you recite durud as much as possible, Allah will fulfill your wishes, and Allah will forgive you.

عورتوں کی جماعت سے نماز

عرض: عورت کا جماعت سے نماز پڑھنا کیسا؟ اور اگر وہ آخری صف میں کھڑی ہو جائے تو اُس کا کیا حکم ہے؟

ارشاد: عورتوں پر جماعت واجب نہیں ہے اور اب سے نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے عورتوں کو مسجدوں کی حاضری سے روک دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم وہ دیکھتے جو عورتوں نے باتیں اب نئی نکالی ہیں تو جیسے حضرت عمر نے روکا ہے رضی اللہ عنہ ویسے ہی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں کو روک دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اور انہوں نے جو یہ اقدام کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اجماع اور پھر ائمہ مذاہب اربعہ نے اس بات کی تصریح کی کہ عورتوں کو جمعہ اور جماعت، عیدین کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے وہ اُس سے مستثنیٰ ہیں اتفاقیہ طور پر اگر کہیں جماعت ہو رہی ہو اور عورت وہاں پر اتفاقیہ طور پر حاضر ہو تو مردوں کے پیچھے جس طرح سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں دستور تھا وہ کھڑے ہو کر داخل شریک جماعت ہو سکتی ہے۔

اپنے ناپسند کپڑوں کو بطورِ زکوٰۃ دینا

عرض: اگر ہم کچھ کپڑے لے کر آئے اور وہ گھر میں کسی کو پسند نہیں آئے تو کیا وہ کپڑے کسی کو زکوٰۃ کے طور پر دے سکتے ہیں؟ کیا ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

ارشاد: کپڑے فقیر مسلم کو جو مستحق زکوٰۃ ہے اُس کو دے کر مالک بنادیں گے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

مردے کو تلقین اور اذانِ قبر

عرض: مردے کو قبر میں جانے کے بعد اطلاع (تلقین) کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

ارشاد: تلقین شرعاً مستحب ہے اور تلقین کے صیغے اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت فاضل بریلوی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھے ہیں اور اب سب سے بہتر طریقہ جو اس زمانے میں رائج ہے تلقین کا جو اہل سنت وجماعت کا شعار بھی ہے وہ یہ ہے کہ قبر میں جب مردے کو رکھ دیا جائے اور مٹی برابر کر دی جائے تو اُس وقت مؤذن اذان کہے۔ یہ اللہ کا ذکر بھی ہے اور یہ اذان بھی ہے اور اس میں اُس مردے کو اس بات کی تلقین بھی ہے کہ تم یاد کرو کہ جس عہد پر تم دنیا میں تھے اور دنیا کو تم نے جس عہد پر چھوڑا ہے کہہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم۔

خواتین کا اُلٹی چادر اوڑھ کر نماز ادا کرنا

عرض: اگر کوئی عورت غلطی سے اُلٹی چادر اوڑھ کر نماز پڑھے تو اُس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

ارشاد: نماز ہو جائے گی۔ یہ جو مشہور ہے کہ اُلٹے کپڑے سے یا اُلٹی چادر سے نماز نہیں ہوتی ہے یہ غلط ہے۔

خواتین کا کسبِ حلال کی تلاش میں گھر سے باہر نکلنا

عرض: کیا عورت کام کرنے باہر جاسکتی ہے یا اگر گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے تو کیا عورت باہر جاسکتی ہے یا نہیں؟

ارشاد: گھر میں اگر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو بقدرِ کفایت کما سکے اور عورت کے نفقہ کا کوئی اُس کا ولی یا شوہر یا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اُس کے نفقے کا کفیل ہو اور وہ نفقہ نہیں پاتی ہے تو اس صورت میں وہ مضطرہ ہے ضرورت مند ہے۔ جائز طور پر کسب حلال کے لئے اگر اُس کو باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر باہر نکلے وہ کسب نہیں کر سکتی اور اپنا خرچہ نہیں چلا سکتی تو اُس کو اجازت ہے اور اگر گھر میں بیٹھ کر دستکاری وغیرہ کے ذریعے سے وہ کام کر سکتی ہے اپنا خرچ نکال سکتی ہے تو اُس صورت میں اجازت نہیں۔

نشت مورخہ ۲۵ جنوری ۲۰۰۹ء بروز اتوار

دورانِ نماز چھینک پر الحمد اللہ کہنا

عرض When reading Salah you over hear someone sneezes, do you then say Alhamdulillah in your Salah?

ارشاد No, it is not permissible while you are reading salah. It is not permissible to answer and to say

Yarhamakullah and answer to sneezing person. If you say, your salah would be considered invalid.

اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک ہے

عرض: اگر کوئی کافر کہے کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے تو اُسے کیا جواب دینا چاہیے؟

ارشاد: اللہ تبارک و تعالیٰ موجود ہے اور یہ سارا عالم اُس کے وجود کی دلیل ہے اور کافر دہریوں کے علاوہ مشرکین بھی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ موجود ہے اور آسمانوں اور زمینوں کا خالق وہی ہے۔ ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله (سورہ لقمان جز آیت ۲۵) قرآن شریف فرماتا ہے کہ اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ جہت سے، کہاں ہے یہ جہت کا سوال ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ مکان میں اور جہت میں ہونے سے پاک ہے اس لئے کہ مکان اور جہت یہ چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئیں مکان نہیں تھا زمانہ نہیں تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ تھا۔ کان الله ولم يكن شيء لها۔ اللہ موجود تھا اور موجود ہے اور موجود رہے گا جبکہ اُس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ کہاں ہے اور کس مکان میں ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے محدود ہونے پر اور اُس کے محصور ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اُس کو کوئی چیز حصر کرسکے اور کوئی چیز اُس کو گھیر سکے اور کسی سے وہ محدود ہو جائے۔ لہٰذا اگر وہ یہ سوال کریں تو اس سے اعراض کرکے یہ بتانا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موجود ہے اور ساری کائنات اس کے وجود کی گواہی دیتی ہے تیری یہ اندھی عقل ہے کہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جہت کے بارے میں پوچھتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہم ایمان لائے کہ وہ موجود ہے اور ساری کائنات کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ وہ کہاں ہے ہمارے افہام سے یہ معاملہ باہر ہے وہ جہت سے پاک ہے۔

فاسق کی اذان

عرض: فاسق اذان دے تو ہو جائیگی یا نہیں؟

ارشاد: فاسق کی اذان مکروہ ہے اور ہندیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے اور اُس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ يكره اذان الفاسق فلا يعاد هكذا ذخيرة۔ لیکن تنویر الابصار میں حضرت علامہ تمر تاشی اور علاؤالدین حصکفی نے درمختار میں دونوں نے اس بات کا قول کیا بلکہ تنویر الابصار میں یہ کہا کہ مجنون کی اور بُہرے کی جو مجنون سے کم درجہ ہوتا ہے بُہرے کی اذان اور مجنون کی اذان اور ناسمجھ بچے کی اذان صحیح نہیں ہے۔ اُس پر درمختار میں یہ بڑھایا کہ اسی طرح کافر کی اور فاسق کی اذان صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کا قول بیانات میں دینی معاملات میں معتبر نہیں ہے۔ جزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون و معتوه وصبى لا يعقل قلت وكافر و فاسق لعدم قبول قوله في الديانات۔

اور یہی قول راجح اور مختار معلوم ہوتا ہے لہٰذا فاسق سے اذان دلوانا جائز نہیں ہے اور اگر وہ اذان دے دے تو بروجہ مسنون کسی متقی پرہیز گار سے اذان دلوائی جائے جبکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔

وہابیوں کی اقتدا کی ممانعت

عرض: حضور میرا کالج شہر سے دور ہے وہاں جمعہ کے لئے صرف وہابیوں کی مسجد ہے کیا میں وہاں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

ارشاد: وہابیوں کی مسجد میں وہابیوں کے پیچھے مسجد ہو یا مدرسہ ہو یا گھر ہو یا میدان ہو وہابی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے مسلمان نہیں ہیں اور کافر کی اقتدا اصلاً صحیح نہیں ہے اور سوال کا ظاہر پہلو جو ہے اُس کے مطابق جواب دیا گیا اور وہابیوں کی مسجد اگر وہ اس طور پر ہے کہ وہابیوں ہی نے اُس خطہ زمین کو وقف کیا اور اُنہی نے اُس کو مسجد قرار دیا تو ایسی جگہ اُن کے مسجد کہہ دینے سے مسجد نہیں ہوگی اور جب تک اُن کے قبضے میں ہے وہ جگہ اور وہابیوں کی آماجگاہ ہے تو وہاں پر سنی مسلمانوں کو جانا جائز نہیں ہے اور یہ اس لئے بھی کہ یہ وجہ تہمت ہے اور وہ جائے گا تو لوگ اُس کو وہابی سمجھے گے اور آدمی کے اوپر یہ لازم ہے کہ تہمت کی جگہوں سے اور جو تہمت کے مظنہ ہیں وہاں سے وہ دور رہے۔ من كان ؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقع التهم۔ حضور اکرم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کی جگہ پر کھڑا نہ ہو۔

خواب میں رسول کریم ﷺ کا دیدار

عرض Can huzur enlighten us, what is the best way to achieve the blessed ziyarah of the beloved Rasool-e

Karim ﷺ in our dreams?

ارشاد You must recite durud as much as possible. If you keep reciting it and increase the quantity of reciting durud sharif, and if you keep reciting durud sharif all the times after all the mandatory and obligatory (farz and wajib), it would be bless and you may be blessed by the manifestation of the Prophet.

دیوبندی کی اقتدا کی ممانعت

عرض: اگر گھر کی نزدیک کی مسجد میں دیوبندی نماز پڑھائے اُسے چھوڑ کر دور سنی مسجد میں جاکر نماز پڑھنا کیا نزدیک کی مسجد کو برباد کرنا ہے؟

ارشاد: نہیں اگر دیوبندی نماز پڑھاتا ہے تو سنی پر یہ واجب ہے اگر وہ قدرت رکھتا ہے تو اپنی مسجد سے اُس دیوبندی کو روکے اور اُس کا نماز پڑھانا موقوف کرے اور کوئی سنی جامع شرائط امام مقرر کرے جو لوگ اس کی استطاعت رکھتے ہیں اُن کے اوپر یہ لازم ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرسکتے اور دیوبندی وہاں پر زبردستی قابض ہیں تو اب اُن کے حق میں یہی متعین ہے کہ وہ کسی سنی صحیح العقیدہ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر اُس کو وہ چھوڑ کر کے جاتے ہیں تو یہ مسجد کو برباد کرنا نہیں ہو گا۔

اصطلاح "مسلکِ اعلیٰ حضرت"

عرض: مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟

ارشاد: مسلکِ اعلیٰ حضرت مسلکِ اہلسنت و الجماعت کا دوسرا نام ہے اور اس زمانے میں مسلک اہل سنت و جماعت کو مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ کسی نئے دین کا نام مسلک اعلیٰ حضرت نہیں ہے اور مسلک اہل سنت و جماعت اللہ کا اور اُس کے رسول کا سچا دین ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے اور صحابہ کے زمانے سے آج تک سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اُن کے مشائخ سے اور مشائخ کو اُن کے مشائخ سے اور بزرگانِ دین کو اپنے اوپر کے بزرگانِ دین سے یہاں تک ہم تک ورثے میں پہنچا ہے ملا ہے۔ یہ اُسی دین کا نام ہے اس میں تمام ضروریات دین جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی ضروریات ہیں جو دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے۔ ان تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھنا یہ سنیوں کا خاصہ ہے اور سنیوں کے علاوہ وہابی، دیوبندی، رافضی، قادیانی جو ہیں وہ ضروریات دین کے منکر ہیں۔

اور ہمارے دین میں اللہ کی تعظیم اور اُس کے رسول کی تعظیم فرشتوں کی تعظیم، اولیائے کاملین کی تعظیم اور علمائے عاملین کی تعظیم اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم سے جو چیزیں نسبت رکھتی ہیں اُن کی تعظیم یہ ہمارے دین میں جزو ایمان ہے، لازمِ ایمان ہے اور وہابی دیوبندی ان تمام باتوں میں خلاف کرتے ہیں اور بہت ساری گستاخیوں کے وہ مرتکب ہیں۔ اللہ و رسول کی شان میں انہوں نے گستاخیاں لکھی ہیں، چھاپی ہیں اور اللہ کا جھوٹ بولنا ممکن بتایا اور اُس کے علاوہ یہ بھی کہا کہ اللہ جھوٹ بول چکا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے اور اُن کے ختم نبوت کے وہ منکر ہیں اور اُس کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور وسیلے کے منکر ہیں۔ یہ بہت ساری باتیں جو ہیں کفریات کی جو دوسرے مذاہب میں وہابیہ میں دیابنہ میں اور روافض میں۔ یہ روافض قرآن کو ناقص مانتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گندی گالی دیتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں کہ انہوں نے دس پارے چھپادیئے اور قرآن ناقص ہے اور جبرئیل امین علیہ السلام کو کہتے ہیں کہ وہ وحی لائے اور انہوں نے وحی لانے میں خطا کی وحی تو آئی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے انہوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دی۔ اس قسم کے کفریات بکتے ہیں اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور اُن کے بھائی اور ان کے شریک یہ دیوبندی ہیں کہ انہوں نے ختم نبوت کا انکار کیا ہے قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس" میں صاف صاف لکھا کہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کوئی نیا نبی آجائے تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہ سب لوگ کافر، مرتد، بے دین ہیں اور مسلک اہل سنت وجماعت وہ ہے جو ان سب سے بری اور جدا ہے۔

دیوبندی قاری سے قرآن پڑھنے کی ممانعت

عرض: دیوبندی مولانا کے پاس صرف قرآن پڑھنا کیسا؟

ارشاد: ناجائز ہے۔ اُس کو استاد بنانا حرام ہے۔

عوام کو دیوبندیوں اور بدمذہبوں سے بحث کی ممانعت

عرض: کیا دیوبندیوں کے ساتھ اسلام کی باتوں پر مڈ بھیڑ یا بحث کرنا صحیح ہے؟

ارشاد: بحث کرنا یہ تو اُن لوگوں کا کام ہے کہ جو مناظرے کے فن سے واقف ہیں اور اہل سنت وجماعت جو سادہ لوگ ہیں اُن کو اپنے ایمان کی حفاظت ضروری ہے اور اُس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ بدمذہبوں سے

دور رہیں اور علمائے اہل سنت وجماعت جو مستند علماء ہیں، ذمہ دار علماء ہیں، جو دین کی باتیں جانتے ہیں اور دین پر قائم ہیں استقامت کے ساتھ اور دین کی باتیں بتاتے ہیں، اُن سے اپنا رابطہ رکھیں۔ اور جو لوگ دین کی باتیں خوب اچھی طریقے سے جانتے ہیں اور عقیدے میں مستحکم ہیں وہ اپنے ارد گرد جو کچے مذبذب دیوبندی ہوں یا وہابی ہوں اُن کو سمجھانے کے لئے اچھے طور پر اور موعظت حسنہ کے ساتھ اور حکمت کے ساتھ اپنے دین کی طرف اُن کو بلاسکتے ہیں اور جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں اُن پر یہی لازم ہے کہ وہ اُن سے دور رہیں، اور اُن کی کتابوں سے اور اُن کے جلسوں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

قبر میں عہد نامہ رکھنا اور اذانِ قبر

عرض: اگر گھر کا کوئی شخص گزر جائے تو اُس کی قبر پر جاکر یہ کہنا کہ اُس کا رب اللہ ہے اور آپ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم اُس کے نبی ہیں اُس کا دین اسلام ہے اور قرآن شریف اُس کا امام ہے تو کیا مردے پر منکر نکیر کے سوالات آسان ہوجائیں گے؟

ارشاد: امید ہے اور یہ تلقین کی صورت ہے اور تلقین کے صیغے کچھ عربی میں آئیں ہیں اور تلقین کی طرف احادیث میں رغبت دلائی گئی ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد اُس کو کلمہ طیبہ اور وہ عہد کہ جس عہد کی بناء پر جس عہد پر وہ دنیا سے گیا ہے وہ عہد اُس کو یاد دلایا جائے اور در مختار میں اسی لئے یہ لکھا ہے کہ عہد نامہ اُس کی قبر میں رکھنا جائز اور مستحسن ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" کہ کفن پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم لکھنا جائز ہے اور اب یہ سنیوں کے معاملات میں ہے اور سنیوں کی پہچان ہے کہ جب مردے کو دفن کرتے ہیں تو قبلہ کی طرف دیوارِ قبلہ میں ایک طاق بناتے ہیں جس میں شجرہ یا عہد نامہ وغیرہ رکھ دیتے ہیں تو یہ اُسی کی تلقین کی صورت ہے یہ جائز ہے اور اسی لئے اذانِ قبر سنیوں میں اُس کا رواج ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس سلسلے میں ایک رسالہ لکھا "ایذان الاجر فی اذان القبر"۔

عورتوں کا جمعہ اور جماعت کے لئے مسجد جانا

ارشاد:۔۔۔ عورتوں کو جمعہ اور جماعت کی حاضری سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے لے کر اب تک تمام ائمہ مذاہب اربعہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ اور جماعت اور عیدین سے عورتیں اس کی حاضری سے مستثنیٰ ہیں ان کو جماعت وغیرہ کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں۔

خواتین کی مسجدِ حرام اور روضہ اقدس پر حاضری

عرض: [کیا مذکورہ ممانعت] مسجد حرام میں بھی عورتوں کو جانے کے لئے شامل ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضے کی زیارت کرنے کو بھی شامل ہے؟

جواب:۔ نہیں، مسجد حرام میں عورتیں جائیں گی طواف کے لئے اور حج کے لئے وہ جائیں گی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے عورتوں کو نہیں روکا جائے گا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وہ ہمارے مذہب میں اور بہت سارے علماء کے نزدیک انہوں نے وجوب کا قول کیا اور بہت ساری احادیث کا ظاہر اسی طرف جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہیں آیا اس نے میرے اوپر جفا کی۔ اور یہ مضمون الفاظ حدیث کے وجوب کو جاتے ہیں لیکن جمہور علماءِ اہل سنت وجماعت نے یہ کہا کہ حضور کی زیارت، سنت اسلام ہے اور ایک وہ سنت ہے کہ جس کی ترغیب دی جاتی ہے اور یہ قریب باواجب ہے۔ ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک لہٰذا عورت کو وہاں کی زیارت سے منع نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اُس کو ادب سکھایا جائے گا کہ وہ ادب کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے وہاں جائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرے۔

بیت الخلا کے قریب وضو

عرض Huzur is it true if one does wuzu in bathroom near toilet, his memory is reduced? Can huzur advice as to what things cause memory weakness?

ارشاد I do not think that one's memory is reduced if he performs ablution and makes wuzu in bathroom, and the increment of memory one should recite durud sharif as much as possible.

*****

رضاہائر ایجوکیشنل ریسرچ پروجیکٹ

رضوانہ سحر (پی ایچ ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف کراچی، پاکستان)

رضاہائر ایجوکیشنل ریسرچ پروجیکٹ کے تحت ہر ماہ رضویات کے کسی عنوان پر تحقیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا کے وابستگان، مشائخ، خلفا، تلامذہ، احباب کی حیات و خدمات پر تحقیق متعلقاتِ رضا کے تحت شعبہ رضویات میں داخل ہے۔ متعلقاتِ رضا میں تحقیق سے متعلق متعدد خاکے ماہنامہ معارف رضا کے شماروں میں پیش کیے جاچکے ہیں۔ وابستگانِ رضا میں حضرت وصی احمد محدث سورتی کی شخصیت متعدد حیثیتوں سے اہمیت کی حامل ہے۔ آپ امام احمد رضا کے قریبی ساتھی اور عزیز دوست تھے۔ محدث سورتی اکثر پیلی بھیت سے بریلی امام احمد رضا سے ملاقات کے لئے آتے اور اسی طرح امام احمد رضا بھی آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ محدث سورتی کے متعدد شاگرد بارگاہِ رضا سے سیراب ہوئے۔ حضرت محدث سورتی کی حیات وخدمات کے موضوع پر محترمہ رضوانہ سحر یونیورسٹی آف کراچی سے پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش نظر خاکہ کے مطابق تحریر فرمارہی ہیں۔ اس تحقیق کی تکمیل میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا تمام ممکنہ سہولیات مقالہ نگار کو پیش کررہا ہے۔ علمی تعاون کے تحت اس تحقیق سے متعلق مواد تک مقالہ نگار کی رسائی کے لئے جو افراد اور ادارے تعاون کرنا چاہیں وہ متعلقہ مواد بذریعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا مقالہ نگار کو ارسال کرسکتے ہیں۔ (عبید)

شاہ وصی احمد محدث سورتی کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ

دُور و نزدیک سے

خطوط، ای میل، پیغامات، خبریں اور کُتبِ نو

اظہارِ تشکر

صدرِ ادارہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری مدظلہ قریب ۲۵ دن ہسپتال میں داخل رہنے کے بعد گھر منتقل ہوگئے ہیں اور اب ان کی صحت بحال ہو رہی ہے۔ اس دوران پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات سے کثیر احباب و قارئین معارفِ رضا نے ادارے کے دفتر اور اراکین سے فون پر حضرت ممدوح کی خیریت دریافت کی اور ان کی صحت یابی کے لیے دعائیں کیں۔ اراکینِ ادارہ اور خود حضرت ان تمام افراد کے شکر گزار ہیں۔

خطوط وای میل

پروفیسر حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری (لاہور، پاکستان)

محترمی و مکرمی حضرت مولانا صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاجِ گرامی!

ماشاء اللہ ہمارا "معارفِ رضا" باقاعدگی سے موصول ہو کر قلب و نظر کی طراوت کا باعث بنتا ہے۔ اس وقت اگست ۲۰۱۲ء کا معارف میرے سامنے ہے۔ تمام ہی مضامین نہایت اعلیٰ ہیں۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا مضمون "ضرورتِ شیخ تعلیماتِ رضا کی روشنی میں" عصرِ حاضر کی ضرورت ہے۔ اس دور میں جبکہ طریقت کو تجارت اور بدعت ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔ ایسے مضامین کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن امام صاحب کا سلسلہ وار مضمون "مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات" بہت اچھا جارہا ہے۔ اس شمارے میں انھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلفائے کرام کی ملی وسیاسی خدمات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کی سیاسی خدمات بیان کی ہیں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے حوالے سے ان کی ایک اہم خدمت بیان کر دوں: ۱۹۲۱ء میں جبکہ برصغیر میں ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لے کر تحریکِ خلافت کی آڑ میں گاندھی کی آندھی چل رہی تھی تو حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نے ابوالکلام آزاد کو مخاطب کر کے ستّر سوالات کیے تھے جسے "اتمامِ حجت نامہ" کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔ نہ صرف ابوالکلام آزاد ان سوالات کا جواب نہ دے سکے بلکہ ابوالکلام آزاد بریلی میں خلافت کمیٹی کے زیرِ اہتمام خلافت کانفرنس سے جب خطاب کرنے آئے تو ان سے "اتمامِ حجت نامہ" کا جواب لینے کے لیے مولانا محمد امجد علی اعظمی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی، صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سید سلیمان اشرف علیھم الرحمۃ کے ہمراہ اس جلسے میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنے خطاب میں ہندو مسلم اتحاد کا زبردست ردّ کیا۔ مولانا حامد رضا خاں بریلوی نے ان سے "اتمام حجت نامہ" کا علی الاعلان جواب طلب کیا، لیکن ابوالکلام آزاد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ نہ اس وقت جواب دے سکے نہ بعد میں۔ "اتمام حجت نامہ" کا ذکر اختصار کے ساتھ راقم الحروف کی کتاب "سیرت صدرالشریعہ" کے صفحہ ۱۳۳ پر دیکھا جاسکتا ہے جبکہ تفصیل کے ساتھ مولانا محمد جلال الدین قادری کی کتاب "ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست" میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مناسب ہے کہ یہاں حضرت صدرالشریعہ کی پاکستان کے حق میں اور کانگریس کی مذمت میں اس یادگار تقریر کا ذکر کر دیا جائے جو آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے پچیسویں عرس شریف کے موقع پر بریلی شریف میں فرمائی تھی۔ آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا: "کانگریس فتنۂ عظیمہ ہے۔ وہ ہندوستان سے مسلمان کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے۔ علمائے اہلِ سنت مسلمانوں کو اس جال میں پھنستا ہوا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم مدت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سُنی کانفرنس جو ملک کے گوشے گوشے میں ہر ہر صوبے میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلے میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں۔ چنانچہ پچھلے الیکشن (مرکزی الیکش نومبر ۱۹۴۵ء) میں ان کا نفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری ۱۹۴۶ء) میں ہونے والے صوبائی انتخابات کے لیے ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں۔" (سیرت صدرالشریعہ، ص ۷۲)

آخر میں مجھے اجازت دیجیے کہ پروفیسر دلاور خاں نوری صاحب

کو ان کے زبردست معرکۃ الآراء مقالہ "کنزالایمان اور ڈاکٹر اوج کا مقالہ" پر خراجِ تحسین پیش کروں۔ سبحان اللہ! پروفیسر دلاور خاں صاحب نے کتنے نفیس لب و لہجے اور علمی و تحقیقی انداز میں ڈاکٹر اوج کی اصلاح کی ہے۔ واقعی پروفیسر صاحب نے بڑی محنت سے یہ مقالہ قلم بند کیا ہے۔ ایک ایک بات باحوالہ ہے۔ اندازِ بیان نپا تلا ہے۔ ایک ایک سطر پر پروفیسر صاحب کے لیے دل سے دعائیں تو نکلی ہی ہیں، لیکن صفحہ ۱۱ پر جب انہوں نے فکری تضاد کی جھلک دکھائی ہے تو بے اختیار ان کا قلم چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ راقم الحروف نہایت بے تابی سے اس کی اگلی اقساط کا منتظر ہے۔

"عصر حاضر میں مراجعہ کا عملی اطلاق اور تحقیقِ رضا" بھی خاصے کی چیز ہے۔ "آیۂ جاؤک پڑھ کر سبز گنبد دیکھ کر" آپ کا تازہ نعتیہ کلام صفحہ ۴۶ پر طبع ہوا ہے۔ پڑھ کر بہت سرور آیا۔ مدینہ طیبہ حاضری کی خواہش فزوں ہوگئی۔ باوجود یہ کہ اس شعبان المعظم میں راقم الحروف حاضری کی سعادت پاچکا ہے، لیکن "سفر مدینے دا ہر وار بڑا سوھنا" کے مصداق اس شہر کریم کی باربار حاضری سے مسلمان تھکتا نہیں بلکہ جذبۂ حاضری مزید بڑھتا ہے۔

۸ر شوّال المکرم کو آپ کا سلام حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا تھا۔ حرمین طیبین میں آپ کے لیے بہت دعائیں ہوئیں، دعا فرمائیں مولائے کریم بار بار حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً کا سفر نصیب کرے۔ اراکین ادارہ، آپ کے صاحبزادگان اور پوتیوں کو سلام پیار والسلام۔

محمد شریف شیخ (ممبئی، انڈیا)

محترم جناب وجاہت رسول صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ انشاء اللہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے۔ عرض یہ ہے کہ ہماری محترمہ اعلیٰ حضرت پر Ph.D کررہی ہیں جو کہ عربی اور انگریزی میں ہوگی؛ لیکن اعلیٰ حضرت کی عربی میں لکھی ہوئی کتابیں یہاں دستیاب نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی میں نے آپ کو خط لکھ کر بتایا تھا۔ آپ نے تین نام دیے تھے، لیکن کوئی مدد نہیں ملی۔ برائے مہربانی اعلیٰ حضرت کی عربی میں لکھی ہوئی کتابیں مہیا کرائیں مہربانی ہوگی۔ جو بھی ہدیہ ہو گا انشاء اللہ ادا کردوں گا۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا فون اور موبائل وایڈریس اور ان کی تھیسس و کتابیں اور ڈاکٹر محمود حسین کی M.Phil اور Ph.D کی تھیسس درکار ہے عطا فرمائیں نوازش ہوگی۔ ڈاکٹر شبنم خاتون کی بھی تھیسس مل جائے تو بہتر ہے۔ اس سلسلے میں تعاون کی درخواست ہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا Topic یہ ہے: Contribution of Imam Ahmad Raza Ala Hazrat in Arabic Language and Literature

محترم یہ Ph.D ممبئی یونیورسٹی سے کررہی ہیں۔ ممبئی یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت پر پہلی مرتبہ Ph.D کی جارہی ہے۔ محترمہ کنیز حسن شیخ برہانی کالج آف آرٹس، سائنس اور کامرس مجگاؤں ممبئی ۱۰ میں عربی اور اسلامیات کی پروفیسر ہیں۔ آپ نے عربی، اسلامیات، اور اردو میں M.A فرسٹ کلاس کیا ہے (تین ڈگری)۔ آپ ڈاکٹر پروفیسر شفیع شیخ کی نگرانی میں Ph.D کررہی ہیں جو کہ ممبئی یونیورسٹی کے عربی اور اسلامیات کے Head of department ہیں۔

محمد اعظم رونجھو (سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان)

محترم صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ نے مہربانی فرماکر ماہنامہ رسالے "معارفِ رضا" ماہ جولائی ۲۰۱۲ء اور ماہ اپریل ۲۰۱۲ء کی ایک ایک کاپی اس ادارے کی لائبریری کے لیے تحفہ بھیجی ہے، جس کے لیے ہم آپ کے احسان مند ہیں۔ امید کرتے ہیں کے آئندہ بھی اس مہربانی سے نوازتے رہیں گے۔

محمد اقبال چشتی (جماعت اہلِ سنّت پاکستان، صوبہ پنجاب)

جماعت اہلِ سنّت پاکستان صوبہ پنجاب کے زیر اہتمام 30 ستمبر 2012ء بروز اتوار 9 بجے صبح انٹر نیشنل سنی سیکرٹریٹ کالا شاہ کاکو جی ٹی روڈ لاہور میں عظیم الشان "ختمِ نبوت کانفرنس" منعقد ہورہی ہے، جس میں نامور محققین، سکالرز اور اکابر علمائے کرام موضوع کی مناسبت سے خطبات اور مقالات پیش کریں گے اور اس عظیم الشان کانفرنس میں وطنِ عزیز کی معروف علمی، دینی، روحانی شخصیات کے علاوہ دیگر مختلف شعبہ ہائے زندگی کے نمائندہ حضرات تشریف فرما ہوں گے۔ آپ بھی اس کانفرنس میں مع احباب ضرور تشریف لائیں۔

ماہنامہ معارفِ رضا کے گزشتہ شماروں کی دستیابی

گزشتہ ۱۲ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر

سنہ ۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
سنہ ۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر
سنہ ۲۰۰۸ء شمارہ جون
سنہ ۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
سنہ ۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر۔ (ان ماہانہ شماروں کے علاوہ سالنامہ ۲۰۱۱ء ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کے معیار کے مطابق علیحدہ شایع ہوا ہے)
سنہ ۲۰۱۲ء جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست و ستمبر

ماہنامہ معارف رضا سال ۲۰۱۱ء کی مکمل فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۰۰ روپے، مجلد ۶۰۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، سعودی عرب، انگلینڈ، متحدہ عرب امارات، بنگلہ دیش، جرمنی، عمان، قطر، آسٹریلیا، کینیڈا، چین، ماریشس، نائجیریا، ہالینڈ، ایران، کویت، سری لنکا، ناروے، سرینام، بحرین، فرانس، انڈونیشیا، اٹلی، لیگزمبرگ، ملائیشیا، نیپال، یوگینڈا اور جنوبی افریقہ، وغیرہ ممالک کے ۱۳۵ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۲ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۰ر نومبر ۲۰۱۲ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کوریئر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا و طالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہ نمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہش مند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

لائبریری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا میں موصول ہونے والے جرائد

ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی (اگست ۲۰۱۲ء نیز ستمبر / اکتوبر ۲۰۱۲ء)؛ الملتگیہ، اوکاڑہ (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ آستانہ، کراچی (جون تا اگست ۲۰۱۲ء)؛ آہنگ، کراچی (اگست ۲۰۱۲ء نیز ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ المقصود، کراچی (مئی ۲۰۱۲ء، نیز ستمبر ۲۰۱۲)؛ پیغام اہلِ سنّت، فیصل آباد (شوّال المکرّم ۱۴۳۳ھ، نیز ذوالقعدۃ ۱۴۳۳ھ)؛ راہنمائے خواتین، فیصل آباد (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ زاویۂ نگاہ، کراچی (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ ضیائے حرم، اسلام آباد (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ عقیدت، حیدرآباد (جولائی ۲۰۱۲ء)؛ فیضِ عالم، بہاولپور (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ کاروانِ قمر، کراچی (ستمبر ۲۰۱۲ء)؛ دوماہی کلمۂ حق، پاکستان، (ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء)؛ کنزالایمان، دہلی (اکتوبر ۲۰۱۲ء)۔

لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتبِ نو

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	حق چار یار (رضی اللہ عنہم)	مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی	۶۴	صراطِ مستقیم پبلی کیشنز، لاہور
۲	جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابہ کرام	مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی	۶۴	صراطِ مستقیم پبلی کیشنز، لاہور
۳	امام زین العابدین کے اٹل فیصلے	مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی	۶۴	صراطِ مستقیم پبلی کیشنز، لاہور
۴	فضائلِ امّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا مفتی ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی	۴۸	صراطِ مستقیم پبلی کیشنز، لاہور